بہادر یار جنگ کی غیر سیاسی تقاریر

نذیر الدین احمد

سلسلہ مطبوعات بہادر یار جنگ ٦

غیر سیاسی تقاریر بہادر یار جنگ

مرتبہ

نذیر الدین احمد بی۔او۔ایل (عثمانیہ)

سوانح نگار بہادر یار جنگ

ناشر

بہادر یار جنگ اکیڈیمی

حیدرآباد۔آندھرا پردیش (انڈیا)

@ جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

نام کتاب	بہادر یار جنگ کی غیر سیاسی تقاریر
مرتبہ	نذیر الدین احمد بی۔او۔ایل (عثمانیہ)
طبع اول	جولائی ۱۹۹۰ء
طبع دوم	جنوری ۲۰۱۱ء
صفحات	۸۰
تعداد اشاعت	۵۰۰ عدد
کمپیوٹر کتابت	**Maas Services Hakeempet Road Tolichowki, Cell 9290449123**
قیمت	۵۰ روپیئے

ناشر

بہادر یار جنگ اکیڈمی

''ایوان رضوان'' 13-6-437/1/8/A

قادر باغ حیدر آباد 500008 آندھرا پردیش (انڈیا)

فون نمبر 040-23513917

صفحات	عنوان مضمون	سلسلہ
1 - 3	مسلم یونیورسٹی علی گڑھ	۱
4 - 5	تعلیم کا صحیح مطمع نظر	۲
6 - 9	مذہب نہیں سکھاتا	۳
10	اُردو	۴
11 - 13	اُردو	۵
14 - 23	فنِ خطابت	۶
24 - 25	ہوائی حملہ سے بچاؤ	۷
26 - 29	اقبال کا پیامِ آزادی	۸
30 - 32	اقبال کا شاہین زادہ	۹
33 - 40	''فلک زحل'' غدارانِ ملّت	۱۰
41 - 43	مادرِ دکن	۱۱
44 - 48	آہ ٹیگور	۱۲
49 - 52	مہاراجہ کشن پرشاد	۱۳
53 - 55	دارالمطالعہ عام نامپلی	۱۴
56 - 57	مُلاّ عبدالقیوم	۱۵
58 - 63	مولوی احمد محی الدین	۱۶
64 - 66	مولوی احمد محی الدین	۱۷
70 - 67	تبصرہ وتجزیہ - فضیل جعفری	۱۸

ابتدائیہ

مخفی مبارذ یرنظر کتاب بہادر یار جنگ کی غیر سیاسی تقریریں پہلی بار شائع ہورہی ہیں۔ پہلی بار ۲۰ کتابوں پر مشتمل جو سلسلہ اشاعت شروع ہوا وہ ۱۹۷۰ء میں ہوا تھا۔ جس میں بہادر یار جنگ کی سیاسی تقاریر شائع ہوئی تھیں اور دیگر کتابیں جو اسوقت شائع نہ ہوسکی وہ کتابیں اب اشاعت پذیر ہورہی ہیں جو جس کا سلسلہ ڈسمبر ۲۰۰۶ء سے شروع ہوا۔

میں تو ہمت ہار چکا تھا' لیکن اللہ کو منظور تھا یہ کام دوسری بار پھر سے شروع ہوا۔

میرے قابل احترام دوست' جو بہادر یار جنگ کے شیدائیوں میں سے ہیں جن کی قومی خدمات لائق ستایش ہیں کئی کالجس پربھنی میں قایم کئے جس میں کئی سو طلبہ زیر تعلیم ہیں۔ جس سے ان کے علمی مزاج علم دوستی اور قومی کاموں سے ان کی دلچسپی کا اظہار ہوتا ہے۔ جب ان کو اس بات کا علم ہوا کہ معاشی مسئلہ درمیان میں ہے کتابوں کی اشاعت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تو پربھنی سے مجھ سے ملنے اچانک تشریف لائے۔ اور فرمایا پہلے شائع شدہ کتابیں پتھر سے چھپائی کی اور معمول کاغذ پر مجبوری کے باوجود آپ نے شائع کئے تھے۔ اب آپ اللہ کے نام سے اس کام کا آغاز فرمادیجئے فی الحال -/50,000 روپئے حاضر ہے۔ انشاءاللہ ایک ہفتہ میں مزید رقم کا انتظام ہوجائے گا وہ خود اپنی طرف سے سے اور اپنے ساتھیوں کی جانب سے ایک لاکھ روپیئے کا انتظام فرمایا۔ جن پیسوں سے سوانح بہادر یار جنگ کی جلد اول جلد دوم جلد سوم ۹۰۰ صفحات پر مشتمل شاندار پیانے پر شائع کی گئی۔ فروخت شدہ کتابوں سے جو رقم آئی اس میں نگارشات بہادر یار جنگ اور تاثرات بہادر یار جنگ کی اشاعت عمل میں آئی اس طرح تقریباً ۵ نسلیں مستفید ہوسکیں۔ ان کی مدد سے ۵ کتابوں کی اشاعت عمل میں آئی اور باقی کتابوں حفاظت کے ساتھ ڈبوں میں رکھ دی گئی۔ سال گزشتہ بہادر یار جنگ لکچر کا سلسلہ مشیرآباد کی چند بہ وقار شخصیتوں کی جانب سے دعوت نامہ اور

اخباری اطلاع کے ذریعے انجمن مہدویہ مشیر آباد کے وسیع وعریض ہال میں بڑے اہتمام سے منعقد کیا۔حاضریں کی تواضع کے ساتھ ساتھ ہر شریک جلسہ کو بلا معاوضہ نگارشات بہادر یار جنگ اور تاثرات بہادر یار جنگ ہر دو کتابوں کو بڑے سلیقے سے نذر کیا گیا اور دوسرا بڑا جلسہ مسلمانوں کی جرات ومحبت کے ساتھ خدمات انجام دینے والی واحد جماعت مجلس بچاؤ تحریک کی جانب سے منعقد ہوا۔

جس میں حاضریں میں بھی یہ ہر دو کتب نذر کی گئیں ہر سال پابندی سے قرآن خوانی کے بعد مزار بہادر یار جنگ پر ان کے یوم پیدائش اور یوم شہادت پر گل افشانی اور دعائے مغفرت کیجاتی ہے

مجلس بچاؤ تحریک کے قایدیں اور اس جماعت سے وابستہ لوگ اپنے قایدیں کو اپنا نذرانہ عقیدت پیش کرتے ہیں۔

اللہ میرے بھائی محترم امان اللہ خاں کی قبر کو نور سے بھر دے ان کی میت میں دفن تک لاکھوں لوگ شریک تھے یہ فضل الٰہی نہیں تو اور کیا ہے الحمد اللہ ان کی اولادیں بھی اپنے باپ کے نقش قدم پر قومی خدمت کو اپنا شعار اور فرض تصور کرتے ہیں اور ہر قدم پر ان کی جان ومال عزت وابرو کی حفاظت میں ملت اسلامیہ کے ہر فرد کی خدمت کی بڑی جرات وہمت سے ان کی مدد کرتے آرہے ہیں۔اللہ ان سب کو اپنے فضل کے سایے میں رکھے اور ان کی حفاظت فرمائے ۔آمین

قدرت کو منظور تھا کہ اللہ کے اس بندے خاص کا ایک ایک ورق شائع ہو۔قدرت نے ایک ایسے شخص کو ہماری مالی معاونت کے لئے کھڑا کر دیا۔جن سے امداد کی درخواست تک نہیں کی گئی مگر وہ میری کوشش وکاوش سے آگاہ تھے۔اللہ کے نیک بندے کی کتابوں کی اشاعت کے سلسلے میں ڈاکٹر حیدر محمد خاں (امریکہ) کا ٹرنک کال آیا جس پر انہوں نے فرمایا ایک لاکھ روپیئے آپ کی خدمت میں روانہ کر رہا ہوں تا کہ یہ کام انجام پائے آپ کو یہ رقم پندرہ دن میں مل جائے گی۔

لاکھوں مالدار لوگوں نے کام کی ستائش کی مگر مدد کی بات کبھی نہ کی۔

اللہ اگر توفیق نہ دے
انسان کے بس کا کام نہیں

پروردیگاران کی اوران کی آل اولاد کو دونوں جہانوں میں سرخ رو رکھے۔اوران کے والدمحترم حیدرمحمد خاں شہید کواپنی جوارحمت میں جگہ عطافرمائے۔آمین

رضائے الٰہی کا حصول آساں ہے ہمارے نفس امارہ کی رضاہی مشکل ہے۔اللہ جن بندوں پر اپنے فضل کی بارش فرماتا ہے تو وہ صرف اپنے لیئے نہیں جیتے بلکہ اپنی اللہ کی دی ہوئی دولت کو کارخیر ہی میں خرچ کرنا اپنی زندگی کا مقصد قرار دے کرقرب الٰہی کے حصول کی جدوجہد میں اپنے رہنماوں کی یاد سے وابستہ ذکروفکراوران کے ارشادات کی اشاعت' غریبوں کوان کی ضروریات حصول تعلیم' غریب بچیوں کی شادیاں' بلاسودی قرض کی اجرائی کے لیئے باضابطہ ٹرسٹ بنا کراس فیض جاریہ کو جاری رکھتے ہیں امریکہ میں مقیم ڈاکٹر حیدرمحمد خاں صاحب نے نومبر 2010ء میں ٹیلفون پرمجھ سے کتابوں کی اشاعت کے سلسلہ میں گفتگوفرمائی اوراپنی طرف سے اس کام کے لیئے ایک لاکھ روپیئے ایک ہفتے میں اپنے دوست صادق محمد خاں صاحب سابق معتمدانجمن مہدویہ اور ڈاکٹر صاحب کے برادرنسبتی کے ذریعہ روانہ فرمادے۔ہماری خواہش تھی کہ کے ڈاکٹر صاحب کے اس عظیم احساس کے سلسلے میں ان کی زندگی کے بارے میں کچھ لکھیں مگر وہ بمشکل صرف ان دو انجمنوں کا ذکرکیا جو امریکہ میں ہیں جس کے وہ سرگرم رکن ہیں ۔ Indian Muslim Council - USA (IMC-USA),www.imc-usa.org, and Indian Muslim Educational Foundation of North America (IMEFNA)وہ ہر ٹرسٹ اپنے والدمرحوم محترم نذرمحمد خاں صاحب جوایک ریل حادثہ میں شہید ہوئے ان کے ایصال ثواب کے لیئے دیتے ہیں ۔جس سے والد سے ان کی عقیدت ومحبت کا اندازہ ہوتا ہے۔ہماری دعا ہے اللہ محترم نذرمحمد خاں صاحب کواپنی جوار رحمت میں جگہ عطافرمائے امین۔نیک اولادخودحشر تک ثواب جاریہ ہوتی ہے مگر

یہ داغ تا زندگی رہے گا
تیرا داغ دل میں نشانی رہیگا

زیرنظر کتاب بہادریارجنگ کی غیرسیاسی تقاریر کی سلسلہ اشاعت نمبر۶ ہے۔

اس مجموعہ میں بہادریارجنگ کی ۱۹غیرسیاسی تقاریر شامل ہیں۔

۱)علی گڑھ یونیورسٹی کی ڈنر کی تقریر۲) آہ ٹیگور(۳)فن خطابت (۴)مہاراجہ کشن پرشاد(۵) احمد محی الدین مدیررہبردکن(۶)ملاعبدالقیوم(۷)مادردکن (۸)اُردو

تاریخی اہمیت کی تقاریر ہیں اللہ نے اپنے فضل سے یہ خدمت مجھ سے لی ہے یہ فضل الاہی ہے

جس جذبہ محبت وعقیدت سے میں نے اس کام کو انجام دیا۔ یہ وہ وقت تھا جب یہ ساری نعمتیں امتدادِ زمانہ کے ہاتھوں تلف ہوچکی ہوتیں بہادر یار جنگ جیسے نابغہ روزگار شخصیتوں کی یاد منانا اور ان کی تقریر وتحریر کو جو کتابی صورت میں شائع ہورہی ہے خوش نصیب ہی اس سے استفادہ کرینگے۔

یہ وہی لوگ ہوتے ہیں جو پہاڑ کا چراغ اور زمین کا نمک ہوتے ہیں ان ہی سے قوم کو حیات نو کا راستہ اور منزل ملتی ہے غیر منشکف واریاں حیط اختیار میں آتی ہیں۔

جب یہ شخصیتیں جہتی ہیں تو مرتی ہیں اور جب مرتی ہیں تو جیتی ہیں زندہ قومیں اپنے اسلاف کے کارناموں کو ماضی کے کفن میں لپیٹ کر بے حسی کی قبر میں سلانہیں دیتیں

آنے والی نسلوں کو ان کی ذات وصفات سے متعارف کرنے کی ہر ممکنہ جدوجہد کرتے ہیں۔

از نذیرالدین احمد

وما علینا البلاغ ط

مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

علی گڑھ اولڈ بوائز ڈنر میں کی گئی نواب صاحب کی تقریر کو مسخ کر کے ''حیدرآباد پریس سروس'' نے غلط رپورٹنگ شائع کر دی تھی۔

محمد احسن صاحب علیگ رکن مقنّنہ نے نواب صاحب کی تقریر کو جو انھوں نے اپنے طور پر مرتب کی تھی نواب صاحب کی تصدیق کے بعد اخبارات میں شائع فرمائی۔ یہ تقریر ۱۹۲۹ء کے رہبر دکن میں شائع ہوئی۔

میں مولوی ابوالحسن سید علی صاحب کا ممنون ہوں کہ انھوں نے اپنے مہمان کی حیثیت سے مجھے اس یادگار اجتماع میں شرکت کی دعوت دی۔ مجھے دو نسبتیں مسلم یونیورسٹی سے اتنا ہی قریب کر دیتی ہیں جتنا کوئی وہاں کا تعلیم یافتہ ہو سکتا ہے ایک نسبت تو اسلامی ہے جس کی وجہ سے ہر مسلم کو اس یونیورسٹی سے محبت ہونی چاہیے۔ دوسری نسبت یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت بندگان عالی اس کے چانسلر ہیں اور اس طرح مسلم یونیورسٹی حیدرآباد کی ہے اور ہر حیدرآبادی اس سے روحانی تعلق رکھتا ہے۔

اس اجتماع سے فائدہ اٹھا کر میرے دوست مولوی لیاقت اللہ خاں صاحب نے ملٹری کالج کی طرف جو اشارہ کیا ہے میں اس سے بالکل متفق ہوں یہ امر مسلم ہے کہ ہر مسلمان فطرتاً سپاہی ہوتا ہے کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ میں ایک عجیب اثر ہے جو اس کے پڑھتے ہی انسان کی نگاہ تمام طاقتوں سے ہٹ کر ایک

مرکز الوہیت پر جم جاتی ہے اس میں ایک ایسی جرأت اخلاقی پیدا ہو جاتی ہے جس کو کوئی دوسری تعلیم پیدا نہیں کر سکتی مسلمانوں میں شریعت موجود ہے لیکن مواقع کا فقدان اور تربیت کی کمی اس کو زائل کر رہی ہے سخت ضرورت ہے کہ ایک ایسا کارخانہ ملٹری کالج کے نام سے قائم کیا جائے جس میں ان ہیروں کی تراش ہو اور جلا دیکر ان کو دنیا کی ٹکسال کے قابل بنایا جاسکے تاکہ ان کی جوت سے دنیا والوں کی آنکھیں ایک مرتبہ پھر چندھیا جائیں میں حیدرآباد کے مسلمانوں کی طرف سے یہ یقین دلاتا ہوں کہ اگر ایسی تحریک شروع کی گئی تو حیدرآباد انشاءاللہ حسب روایات اس کی امداد اور سرپرستی میں سب سے آگے رہے گا۔

کہا گیا ہے کہ علی گڑھ اپنے طلباء میں ایک خاص کلچر پیدا کرتا ہے جو کسی اور درسگاہ میں نہیں پایا جاتا اور ایک معزز مقرر نے یہ بھی فرمایا کہ علی گڑھ کے طالب علموں میں وہ خصوصیت ہوتی ہے جو انگلستان کے کسی پبلک اسکول میں پیدا ہو سکتی ہے۔

میں نے بہت غور سے علی گڑھ کے تعلیم یافتہ اصحاب کا مطالعہ کیا ہے اور مجھ کو یہ دیکھ کر مایوسی ہوئی کہ میں ان میں اور کسی دوسری یونیورسٹی کے تعلیم یافتہ میں کوئی فرق نہیں دیکھتا اگر وہ امتیاز یہی ہے کہ ان کی تربیت انگلستان کی کسی بہترین تربیت گاہ کے برابر ہوتی ہے تو اس بات نے مجھ کو یونیورسٹی کی طرف سے مایوس کر دیا میں تو مسلم یونیورسٹی کو دنیا کی اور تمام درسگاہوں سے ممتاز اور اس درسگاہ کا پرتو دیکھنا چاہتا ہوں جو آج سے ساڑھے تیرہ سو برس پہلے مدینہ کی پھوس کی بنی ہوئی مسجد میں قائم ہوئی تھی اور جس کے تعلیم پانے والوں نے بیس برس کے اندر دنیا میں ایک انقلاب عظیم پیدا کر دیا تھا اور عرب کے بادیہ گردوں کو دنیا کا معلم اخلاق و سیاستداں بنا دیا تھا اور اپنی طاقت و جبروت سے گنگا اور جمنا کی لہروں کو بحرا الکاہل کی موجوں سے ملا دیا تھا اگر مسلم یونیورسٹی اس کے کلچر کو پیدا نہیں کر رہی ہے اور ان جذبات کی تربیت نہیں کر رہی ہے تو میرے نزدیک اس میں اور ہندوستان کی کوئی اور یونیورسٹی میں کوئی فرق نہیں ہے۔ بہرحال مجھے توقع ہے کہ طلباء قدیم اس کی طرف جلد توجہ کریں گے۔ علیگڑھ کے بعض تعلیم یافتگان نے کوئی شک نہیں کہ ہندوستان کی سرزمین کو اپنے کارناموں سے روشن کر دیا مثلاً مولانا محمد علی مرحوم یا مولانا حسرت موہانی وغیرہ لیکن میں اس کا کریڈٹ علی گڑھ سے زیادہ زمانہ کو دیتا ہوں جس نے ان کے جوہر قابل کو آمادہ عمل کر دیا تھا کسی تربیت گاہ کے نتائج تربیت ان کے تربیت یافتگان

کی اکثریت میں نمایاں ہونے چاہیں۔

''نواب محی الدین یار جنگ بہادر کے ذاتی خیالات کو ممکن ہے میں ان کی بزرگی کا احترام کرتے ہوئے ان کو قابل معافی تصور کروں لیکن اگر یہ علی گڑھ اولڈ بوائز اوسی ایلیشن کا نقطہ نگاہ ہے تو مجھے اس پر تفصیل سے بحث کرنی پڑے گی (چاروں طرف سے شور ہوا کہ یہ ہرگز ہمارے خیالات نہیں ہیں) اس پر فاضل مقرر نے اظہار اطمینان فرماتے ہوئے کہا ''اعلیٰ حضرت بندگان عالی کی عقیدت ومحبت میں میں کسی اور کو اپنا مثل تسلیم نہیں کرتا اور مسلمانان دکن کی نسبت یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ اُن سے اعلیٰ حضرت کی محبت کو الگ سمجھنا جان کو جسم سے الگ سمجھنے کے برابر ہے لیکن یہ امر مسلم ہے کہ اعلیٰ حضرت کی طاقت وقوت ان کے تخت وتاج کی حفاظت اور ان کے اقتدار اور اختیار کی بقاء کا انحصار مسلم جماعت کی قوت وطاقت پر ہے اگر کوئی دستور حیدرآباد میں مسلم جماعت کی حیثیت گھٹا رہا ہے تو دوسرے الفاظ میں اعلیٰ حضرت کے اقتدار اور اختیار اور تخت وتاج کے لیے بلاواسطہ نہ سہی بالواسطہ مضر ونقصان دہ ہے اور جس چیز سے اعلیٰ حضرت کے اقتدار شاہی کے لیے اندیشہ ہو مسلمان اس کو ہرگز پسند نہیں کر سکتے اور یہ جاننے کے باوجود کہ کونسل کی سفارش پر خود حضرت بندگان عالی نے اس کو شرف منظوری عطا فرمایا ہے اس کی مخالفت اس وقت تک کریں گے جب تک یا تو اس سے یہ خرابیاں رفع ہو جائیں یا پھر وہ جاری ہی نہ ہو سکے اگر اس کے سلسلہ میں ان کو خود اپنے آقا و مالک کی خفگی اور عتاب کو برداشت کرنا پڑے تو وہ اس خفگی اور عتاب کو اپنے لیے رحمت تصور کرتے ہوئے ایثار سے کہیں دریغ نہ کریں گے یہ حکومت کا کام ہے کہ غور کرے کہ کیا وہ مسلمانوں کو ناخوش کر کے یا ان کا تعاون کھو کر اپنے آپ کو کامیابی کے ساتھ چلا سکتی ہے''۔

تعلیم کا صحیح مطمع نظر

یہ تقریر نواب صاحب نے حیدرآباد ایجوکیشنل کانفرنس (انجمن ترقی تعلیم حیدرآباد دکن) کے اجلاس دوم ۱۹۳۸ء میں فرمائی تھی جو انجمن ترقی تعلیم حیدرآباد کی شائع شدہ روئداد میں چھپی۔ یہ تقریر مکمل دستیاب نہ ہوسکی آخری حصہ ادھورا ہے۔

محترم قائد و جناب صدر کانفرنس۔

حضرات ساری تعریف اس عالم مطلق کے لیے سزاوار ہے جس نے کائینات میں علم کو پیدا کیا اور جس کے پرتو علم سے کائنات منور ہے۔

برادران۔ ان دنوں جب کہ عالم کتابوں کے انبار سے ڈھکا جاتا ہے اور علم بڑی بڑی ڈگریوں کی وجہ سے شہرت حاصل کرتا ہے تو مجھ جیسے آدمی کو جو معمولی طالب علم کی حیثیت سے زندگی بسر کرتا ہے اس مجمع میں حاضر ہونے اور جس عنوان پر اپنے خیالات کا اظہار کرنے کا موقع دیا گیا ہے وہ میرے لیے باعث استعجاب اور باعث فخر ہے مجھ سے خواہش کی گئی ہے یا حکم دیا گیا ہے کہ میں آپ حضرات کو مخاطب کروں۔ ایک ایسے مجمع کو مخاطب کرنا کہ جہاں نہ صرف پبلک جمع ہو بلکہ جہاں مجھ سے قابل افراد موجود ہوں اپنی نا قابلیت کا اظہار کرنا ہے لیکن اس کی ذمہ دار دراصل کانفرس ہے۔

انسان حضرات کائنات ارض پر شرف و بزرگی کی تلاش کرتا ہے۔ آپ میں سے کون ہے جس نے تلاش نہ کی ہے۔ لیکن تلاش کے ذرائع مختلف ہیں۔ میں نے اس کی تلاش اس کتاب مقدس کی روشنی

میں حاصل کی ہے جو تیرہ سو برس سے انسان کے لیے سرچشمہ ہدایت ہے۔اس کتاب میں مجھے یہ بتایا گیا ہے کہ اگر کوئی چیز آدمی کے لیے باعث عزت ہے تو وہ علم اور صرف علم ہے۔انسان کو کائنات ارض میں جو افتخار حاصل ہوتا ہے تو وہ علم ہی کی بدولت ہے۔

حضرات میرا خیال یہ ہے کہ زندگی کا کوئی پہلو اور مقام ایسا نہیں ہے کہ جہاں پر علم حاصل کرنے کے لیے صحیح طور پر رہبری کی ضرورت نہ ہو اور صحیح رہبری بغیر مطمع نظر کے عمل میں نہیں آسکتی خود روزمرہ کاروبار میں ہمیں صحیح رہبری کی ضرورت ہوتی ہے مثلاً یہ معلوم کر لینا ضروری ہے کہ کونسا موسم زمین پر بل چلانے کے لیے بہتر ہے اور کس وقت اس کو پانی دینا چاہیے اور کس قسم کے بیج کے درخت پیدا کر سکتے ہیں اور کس بیماری کا علاج کس طرح کیا جاتا ہے۔

آج کل تو میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ چھوٹے سے لے کر بڑے تک چھوٹی جماعت میں پڑھنے والے سے لیکر بڑی جماعت میں پڑھنے والے تک آپ پوچھیں کہ اس کے تعلیم پانے کا کیا مقصد ہے تو آپ اس سے ایک ہی جواب پائیں گے کہ وہ علم روزگار حاصل کرنے کے لیے حاصل کرنا چاہتا ہے۔

حیدرآباد میں تعلیم کا مطمع نظر کیا رکھا گیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ جذبہ منفعت اور کسب معیشت وہ سب چیز جن کو انسان حاصل کرنا چاہتا ہے صرف تعلیم ہی کی وجہ سے حاصل کر سکتا ہے لیکن علم کو محض اس سے حاصل کرنا کہ اس کے ذریعہ چند ٹکے کمائیں گے کیا آپ یہ بتا سکتے ہیں کہ علم کا صحیح مطمع نظر ہو سکتا ہے تعلیم پانے کا بلند مطمع نظر یہ ہے کہ آدمی اس کو صرف کسب معیشت یا جلب منفعت کی بجائے تعلیم کو تعلیم کی غرض سے حاصل کرے۔

تعلیم کا صحیح مطمع نظر بھی یہی ہو سکتا ہے کہ ہم اپنی زندگی کو بُری چیزوں سے بچائیں اور بری صحبتوں سے اپنے آپ کو محفوظ رکھنے کی کوشش کریں اور بہتر صحبت حاصل کرنے کی کوشش کریں جس سے ہم اپنے آپ کو اس دنیا میں بہتر ہمسایہ بہتر باپ اور بہتر بھائی کہلانے کے مستحق ہوں۔فی الحقیقت ہمارا کوئی صحیح مطمع نظر ہو سکتا ہے تو یہی ہو سکتا ہے ۔۔۔۔ کہ ہم ان برائیوں سے بچیں جو اس دنیا میں آنے کے بعد بطور ابتلاء کے ہم پر محیط ہو جاتی ہیں۔

’’مذہب نہیں سکھا تا آپس میں بیر رکھنا‘‘

گنیش اتسو کے موقعہ پر ۲۶ ؍اگست ۱۹۴۱ء کو ایک جلسہ حشمت گنج حیدرآباد میں مسز سروجنی نائیڈو کی صدارت میں منعقد ہوا تھا نواب بہادر یار جنگ کی تقریر سے قبل سروجنی نائیڈو نے اپنی فصیح و بلیغ تقریر میں نواب صاحب کا تعارف کروایا۔

جب نواب صاحب کی مندرجہ ذیل تقریر ختم ہوئی تو محترمہ سروجنی نائیڈو نے ارشاد فرمایا۔

ایسی تقریر کے بعد میری کیا مجال ہے جو کچھ بیان کروں صرف اتنا کہتی ہوں ؎

بلبل کو گل مبارک گل کو چمن مبارک
رنگیں طبیتوں کو رنگیں سخن مبارک

اس تقریر کا یہ خلاصہ رہبر دکن کے ۲۷؍اگست ۱۹۴۱ء کے پرچے میں شائع ہوا۔

صدر محترمہ نے میرا تعارف کراتے ہوئے جو جملے استعمال کیے ہیں اس کا میں شکریہ ادا کرتے ہوئے یہ کہوں گا کہ چونکہ میں ان کو ماں کہتا ہوں اس لیے انھوں نے میری نہیں بلکہ خود اپنی تعریف کر لی شاعر ٹیگور کے تعزیتی جلسہ میں میں نے آنجہانی شاعر کی جو پیش گوئی اپنے متعلق بیان کی

تھی وہ میں سمجھتا ہوں کہ صدر محترمہ کے متعلق بھی صادق آسکتی ہے چونکہ آج انھوں نے زبان اردو میں فصیح تقریر کی وہ اس کی گواہ ہے۔

حضرات میں ابتداء میں اسی خدا کے نام سے اپنی تقریر شروع کروں گا جو ہم سب کا پالنے والا اور نگہبان ہے۔ مجھ سے متعلق مختلف گوشوں میں یہ شکوک پیدا ہوگئے ہیں کہ مشترکہ پلاٹ فارم کی کوشش میں سرگرداں ہوں۔ آج کا اس جگہ میرا آنا ان کے لیے اور بھی ثبوت ہوگیا کوئی سوچتا ہے کہ بہادر خاں جو ایک بڑا خونخوار ہے وہ کیسے اس جگہ تقریر پر رضامند ہوگیا۔ میں اس ضمن میں یہ کہوں گا کہ نہ ہندوؤں میں اختلافات ہیں مسلمان سے اور نہ مسلمانوں کو ہندوؤں سے بیر ہے بلکہ یہ صرف ہندو زعماء اور مسلمانوں کے قایدین کے درمیان اختلافات ہیں۔ وہ بھی سیاسی نقاط نظر سے پیدا ہوئے ہیں میں ان کو کبھی ہندو مسلم اختلافات تصور نہیں کرتا اور دکن کی سطح مرتفع کو ایک مشترکہ پلیٹ فارم سمجھتا ہوں اور دوسو برس سے جو رابطہ آپس میں قائم ہے وہ کبھی فتنوں کے بیدار ہونے سے برباد نہیں ہوسکتا میں نے یہ سمجھ کر کہیں ہماری سماجی حیثیت میں فرق نہ آئے تقریر پر آمادگی ظاہر کی۔ ہمارے درمیان جو خلیج حائل ہے وہ یقیناً پاٹی جاسکتی ہے اس کی وجہ مذہبی عقائد میں نہ ہمارے اختلافات ہیں بلکہ درمیان میں ایک ایسی چیز پیدا ہوگئی ہے کہ بدقسمتی سے آج ہم اپنے آپ کو ایک دوسرے سے دور سمجھ رہے ہیں۔ آج یہ کہوں گا کہ وہ وقت دور نہیں زمانہ خود اس پیام کو عام کرے گا کہ ہم دنیا کو امن کا پیام دیں گے میں باوجود اس تقریب میں جس کو لوک مانیہ تلک نے سیاسی جامہ میں پیش کیا تھا اس پہلو کو نظر انداز کیے ہوئے اپنے خیالات کو آپ کے سامنے پیش کرر ہا ہوں۔

مذہب سے متعلق ہماری تعلیم عجیب قسم کی ہوگئی ہے۔ ہم نے اپنے پہچاننے میں غلطی کی۔ مذہب کے لیے انگریزی میں (Religion) کا لفظ ہے لیکن وہ جن معانی کو ادا کرتا ہے اس سے ہمارے مذہب میں جداگانہ تصورات پیدا ہوتے ہیں۔ اس وقت عیسائیت کے سامنے صرف مذہب کا ایک ہی راستہ تھا اور انھوں نے اسی تعلیم کو عام کیا یعنی خدا کے بندے کے ساتھ تعلق اور یہ لفظ اسی مطلب کو ادا کرتا ہے لیکن بندے اور بندوں کے درمیان تعلقات اس میں حذف ہیں ہندو دھرم اور اسلام اس سے مختلف ہے اس میں دھرم اور مذہب کا مفہوم ہے اس سے بندوں اور بندوں کے ساتھ تعلقات بھی واضح ہیں۔

جس طرح ہم اللہ اکبر کہتے ہیں اسی طرح اس نے ہمارے لیے رزق پیدا کیا۔ دنیا کے سرچشمے ہمارے لیے کھول دیئے۔ آفتاب ہمارے لیے پیدا کیا گیا۔ لہلہاتی ہوئی کھیتیاں ہمارے ہی لیے ہیں اور باغ پھولوں سے مہک رہے ہیں۔ اسی رب نے ہماری آتما اور روح کے لیے بھی سامان فراہم کیے۔ یہ سامان مذاہب ہیں جو مختلف اوقات میں انسان کی ہدایت کے لیے اپنے فرائض حقیقی کو سمجھنے کے لیے دیئے گئے۔ اس پروردگار نے جس نے یہ کائنات پیدا کی ہے۔ دنیا کی کسی قوم کو ہدایت سے معریٰ نہیں رکھا۔ ہر قوم کے لیے ہادی بھیجے گئے ہم کو جن پیغمبروں کے نام بتائے گئے ہیں ان کے علاوہ قرآن نے ان کی تعلیمات کو جھٹلایا نہیں بلکہ جیسے نوح اور قوم عاد کے لیے ہود' شعیب' ذکریا' موسیٰ' داود' عیسیٰ اور محمد بھیجے گئے ان کے علاوہ دنیا کے ہر حصہ میں کوئی نہ کوئی ہادی بھیجا گیا اگر مسلمان ان کو تسلیم بھی نہیں کرتے تو ان کی تکذیب بھی نہیں کرتے جیسے سری کشن اور سری رامچند رجی۔ ہم ان کو نہیں مانتے لیکن قرآن کی بتلائی ہوئی ہدایت پر عمل کر کے کہ خداوند عالم نے اس براعظم کو بھی کسی ہادی سے معریٰ نہ رکھا ہوگا خاموش ہوتے ہیں۔ خدا کے بھیجے ہوئے نبیوں کا پیام الگ الگ نہیں ہوسکتا ہم اس میں جو حقائق کے درس پاتے ہیں صداقت پر گامزن اور جھوٹ سے پرہیز وغیرہ یہ تمام مذاہب کی بنیاد ہے۔ آج دنیا میں جتنے مذاہب پائے جاتے ہیں ان کو آپ خدا کے تصّور سے خالی نہیں پائیں گے بلکہ ہر مذہب میں خدا کے ایک ہونے کے نظریہ کو پائیں گے جیسے جیسے ان پیغام پہنچانے والوں کی تعلیمات کو زمانہ گزرتا گیا مختلف مکاتیب خیال بنتے گئے اور آپس میں اختلافات پیدا ہونے لگے۔ جب خدا کی ربوبیت نے دیکھا کہ ہمارے بھیجے ہوئے ہادی کی تعلیم مسخ ہو رہی ہے تو اس کی رحمت نے جوش کھایا اور ان ہادیوں کا راستہ جاری رہا۔ اور ان کی تعلیمات نے ہر زمانہ میں خدا کے درس کو عام کیا۔ اس کی وحدت کا اظہار سب ہی نے کیا مگر غلط تصورات نے ثلیث کی بنیاد کو صحیح سمجھ کر خدا کے ساتھ رشتے جوڑ دیئے کسی نے زرتشت و کنفوشست کی تعلیمات سے آتش پرستی کے رواج کو عام کیا اور کسی نے بت پرستی کو صحیح راستہ تصور کیا خدا کو جس نے اپنے تصور میں سمجھا اس کو اسی کے مطابق ڈھالنے لگا لیکن کسی نے یہ نہیں سمجھا کہ اس سے خود خدا کی تکذیب ہو رہی ہے۔

دین تو ایک ہی ہے لیکن ہمارے تصورات اور کردار نے یہ بتوں کو بدلا۔ نہ صرف پیغام کو پہنچانے میں ہادیوں نے کام کیا بلکہ انھوں نے اپنے کردار سے بہتر سبق دیا۔ دنیا کا کوئی مذہب ایسا نہیں جس نے اچھائیوں کو پیش نہ کیا ہو۔ ہر مذہب نے پریم اور آشتی کی تعلیم دی۔ انھوں نے سیدھے راستے دکھلائے لیکن افتراق اور منافقانہ کوششیں جو شروع ہوئیں وہ مذہب سے ناواقفیت کی وجہ اور انھوں نے مذہب کا نام لے کر ایک ایسے راستے کی بنا ڈالی جس سے ہندو مسلمانوں اور عیسائیوں میں ایک خلیج حائل ہوگئی جس مذہب کی بنیادی تعلیم ہی فتنے برپا کرتی ہو اور مذہب کے نام پر طرح طرح کے اختلافات پیدا کرتی ہو وہ کبھی بھی صحیح مذہب نہیں ہوسکتا۔ حیدرآباد کی سرزمین ہمیشہ ایسی نامحمود مساعی سے دور تھی لیکن اس کو بھی اس مذہب سے دوچار ہونا پڑا جو ایک طرف ہندوؤں کے خلاف تو دوسری طرف مسلمانوں کے خلاف اعلان جنگ کررہا ہے۔

آج مجھے دکھ ہوتا تو ہے جب وہ پرانی صحبتیں یاد آتی ہیں ہمارے خاندان کو کوئی صدمہ ہوتا تو بنسی لال جی کا خاندان کبھی رات دن نہیں سوسکتا تھا وہ دیوالی کی راتیں اور ہولی کے تہوار یاد ہیں اور مہاراجہ کے ہاتھوں کا پھینکا ہوا گلال نہیں بھول سکتا مجھ کو امید ہے کہ پریم کے راگوں میں ہندو اور مسلمان حیدرآباد کی ترقی میں اپنے کو پیش کریں گے۔ اپنے بادشاہ کی وفاداری کے گیت گاتے ہوئے سلطنت کو جس طرح ڈیڑھ سو برس پہلے تھی اسی طرح قائم کریں گے اور اپنے بادشاہ کے سچے پریمی بن کر شانتی کے ساتھ حیدرآباد میں سچے شہری کی طرح زندگی گزاریں گے۔

☆☆☆

اُردو

نواب صاحب نے مجلس ادب اُردو جامعہ ناگپور کے زیر اہتمام منعقدہ جلسہ کا افتتاح کرتے ہوئے جو کچھ ارشاد فرمایا اس کی انتہائی مختصر روئداد ۱۹۴۲ء کے رہبر دکن میں شائع ہوئی ہے اس روئداد میں نواب صاحب کے دو چار کلمات پڑھنے کو ملتے ہیں۔

زبان اُردو کو آپ نے مشترکہ تہذیب کی دوسری سب سے بڑی میراث قرار دیتے ہوئے پرزور طریقہ سے یہ اعلان کیا کہ زبان اردو کو غیر ملکی زبان قرار دینا بیسویں صدی عیسویں کی سب سے بڑی دھوکہ دہی ہے۔فن خطابت پر اظہار خیال کرتے ہوئے قائدملت نے اپنے تجربات کی وضاحت فرمائی جو اس زمانہ سے انھیں حاصل ہورہے ہیں جب کہ وہ صرف (۷) سال کے تھے۔لسان الامت نے اس فن کے سارے نکات بیان کیے اور یہ بتلایا کہ ایک خطیب کی نہ صرف شخصیت ہی اثر کرتی ہے بلکہ زبان ٗ محاورے ٗ بندش طرز بیان اور طریقہ تفہیم بھی ضروری اور لازم ہے۔

قائدملّت کی تقریر پر مولانا خاموش رکن مجلس عاملہ کل ہند ریاستی مسلم لیگ (بھوپال) نے تقریر کے دوران حضرت قائدملّت سے فرمایا۔مسٹر گاندھی جیسے مدبر نے یہ بالکل درست کہا کہ حامیان اُردو کو چاہیے کہ ہندی سیکھیں۔ایک دفعہ مسٹر گاندھی نے مجھے ہندی میں خط لکھا تھا جس کا میں نے اُردو میں جواب دیا۔

اُردو

''اُردوزبان''پر قائدملّت کی یہ تقریر رسالہ ہماری کتابیں (مدیراعلیٰ شبر ہاتمی' مارچ واپریل۱۹۴۳ءجلدا ۱۰'۱۱میں شائع ہوئی تھی ۔

ساری تعریف اس خدا کو سزاوار ہے جس نے انسان کی صورت اور آواز کے ساتھ اس کی زبان کو بھی اپنی نشانی بنایا اور زبان کے اختلاف میں بہت سی حکمتوں کو پوشیدہ رکھا انجمن ترقی اُردو کی مساعی اور اس کے کارکنوں کے جوش عمل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قائدملّت نے فرمایا علی شبر صاحب حاتمی ان چندنو جوانوں میں سے ہیں جنھوں نے اپنے اخلاص اور بے ریا عمل سے میرے دل میں ایک خاص جگہ پیدا کرلی ہے ۔انجمن ترقی اُردو کے لیے انھوں نے ملک کے گوشہ گوشہ میں اپنی جماعت کے ساتھ سیکلوں پر دورے کئے صعوبتیں برداشت کیں ۔گشتی کتب خانہ اور ''پڑھائی گھر'' کے ذریعہ وہ زبان کی جو خدمت کررہے ہیں وہ بلاشبہ قابل قدر ہے ۔آج تقریروں اور ڈراموں کے ذریعہ اُردو سے متعلق جو کچھ کہا گیا ہے اس کے بعد سمجھتا ہوں کہ مزید کسی قسم کے اضافہ کی ضرورت نہیں ۔

ہندوستان کی سرزمین جس پر مختلف قومیں آباد ہیں جن کے مختلف تمدن ہیں ۔ہندوستان کی مختلف قومیں آج تک اپنی تہذیبوں اور کلچروں کو متحد نہ کرسکیں ۔لیکن ہندوستان کسی مقام پر پہنچ کر اگر ایک ہونے کا دعویٰ کرسکتا ہے تو وہ ایک ہی مقام ہے اور وہ اُردو زبان کا مقام ہے حقیقت یہ ہے کہ قوموں اور ملتوں کے اختلاف کو دور کرنے اور دوسرے کے نقطہ خیال کو سمجھنے کے لیے اُردو زبان عالم وجود میں آئی ہے جو

فاتحین بیرون ہند سے ہندوستان آئے ان کے لیے ہندوستانیوں کی بولی کو سمجھنا مشکل ہورہا تھا اور اس مشکل کو حل کرنے کے لیے انھوں نے ایک اچھا طریقہ ایجاد کیا۔ اُردو زبان باہر سے لائی ہوئی زبان نہیں ہے بلکہ اس کی بنیاد ہندوستان ہی میں ڈالی گئی ہے۔ اگر آپ اُردو زبان کے الفاظ کو سامنے رکھیں اور غور کریں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ اُردو زبان میں عربی' فارسی' کے مقابلہ میں ہندی بھاشا کے الفاظ زیادہ ہیں ہر زبان تین کلمات پر مشتمل ہوتی ہے۔ اسم' فعل' حرف اگر ان تینوں کے لحاظ سے اُردو زبان کا جائزہ لیا جائے تو واضح ہوگا کہ اُردو زبان کے ایک ثلث سے زیادہ الفاظ ہندی بھاشا سے مشتق ہیں۔ اُردو زبان کے سرمایہ کا جب یہ حال ہو تو یہ کہنا کہ وہ باہر سے آئی ہوئی ہے کہاں تک درست ہوسکتا ہے۔

سلسلہ تقریر جاری رکھتے ہوئے نواب صاحب نے فرمایا کہ ہندوستان کی تہذیبی وتمدنی خصوصیات کو اُردو زبان میں ادا کیا جاسکتا ہے یا نہیں اس کے دیکھنے کے لیے ہمیں پنڈت رتن ناتھ سرشار' منشی پریم چند کا لٹریچر دیکھنا چاہیے۔ واقعہ یہ ہے کہ انھوں نے جس عمدگی اور خوبی سے ہندوستانی تہذیبی اور تمدنی رجحانات کو پیش کیا ہے وہ اس امر کا ثبوت ہے کہ اُردو زبان میں جتنی قوت جاذبہ ہے اور اس میں الفاظ کو اپنے اندر سمیٹ لینے کی جو صلاحیت ہے وہ دنیا کی کسی زبان میں نہیں ہے۔ اُردو زبان کے دروازے کو دوسری زبان کے الفاظ کے داخلہ کے لیے ہمیشہ کھلا رہنا چاہیے لیکن مخواہ اُردو زبان میں ہندی۔ سنسکرت کے غیر مانوس الفاظ کو نہ داخل کیا جائے اور نہ ابوالکلام آزاد اور ان کی تقلید کرنے والوں کی طرح اُردو زبان میں ثقیل فارسی اور عربی کے الفاظ کی آمیزش کی جائے یہ عجیب بات ہے کہ جرمنی جیسا بدترین دشمن ہندوستانیوں سے مخاطب ہوتا تو وہ اُردو کو اپنا ذریعہ قرار دیتا ہے۔ انقرہ اور اطالیہ کے ریڈیو سے ہندوستانیوں کو اُردو میں مخاطب کیا جاتا ہے لیکن افسوس ہے تو یہ کہ جب خود ہندوستانی ہندوستانیوں کو مخاطب کرتے ہیں تو ایسی زبان استعمال کرتے ہیں جو ان کے لیے اجنبی ہوتی ہے۔

اس سلسلہ میں قائد ملّت نے بنارس یونیورسٹی میں جو خطبہ جلسہ تقسیم اسناد پڑھا گیا تھا اس کی طرف اشارہ فرمایا۔ سلسلہ تقریر جاری رکھتے ہوئے جامعہ عثمانیہ کے ارباب متقدر کی اُردو سے بے توجہی کی طرف اشارہ فرمایا کہ میں اُردو کے کعبہ سے کہہ رہا ہوں وہاں کفر پھوٹ رہا ہے۔ پروفیسر ہارون خاں شیروانی جہاں آپ اُردو پڑھانے کے لیے آئے تھے وہاں اُردو کے گلے پر چھُری پھیری جارہی ہے۔

صدارت عظمیٰ سے گشتی جاری ہونے کے باوجود مسجل جامعہ عثمانیہ کے دفتر سے خط و کتابت انگریزی میں ہوتی ہے اس میں شک نہیں کہ چند انگریزی حکام یہاں آئے اور انھوں نے انگریزی میں نوٹ پیش کرنے پر مجبور کیا۔ ان کے ساتھ ہی چند ایسے افراد جو پروردہ آغوش انگریزی تھے اس طرح انگریزی میں عمل کرنے لگے ان کا قلم سیدھی طرف چلنے کے بجائے اُلٹی طرف سے چلنے لگا۔ گویا اُلٹی گنگا بہنے لگی۔ میں حکومت سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ اپنی پیشانی سے اُردو کے قتل کا دھبہ مٹائے اور اُردو کو صحیح معنوں میں اُردو بنائے۔

☆☆☆☆

فَنِ خِطابَت

طلبہ سے قائدِ ملّت نواب بہادر یار جنگ کا خطاب

لسان الامت نواب بہادر یار جنگ نے انجمن اتحاد طلبہ انٹر میڈیٹ ورنگل کے زیرِ اہتمام ''فن خطابت'' کے زیرِ عنوان جن گراں قدر خیالات کا اظہار فرمایا تھا۔ وہ تقریر ورنگل کالج کے میگزین میں شائع ہوئی تھی جو ہدیہ ناظرین ہے۔

معزز حضرات، عزیز دوستو و طالب علمو!

سب تعریفیں اس قادرِ مطلق کے لیے سزاوار ہیں جس نے اس کائنات کو ہمارے لیے پیدا کیا۔ حمد ثناء سب اسی کے لیے ہے جس نے ہم کو اشرف المخلوقات کا درجہ عطا فرمایا۔

ہاں تو حضرات! صدر کلیہ نے مجھ سے خواہش کی ہے کہ میں اس جلسہ افتتاحیہ میں ''فن خطابت'' پر تقریر کروں اور اس مقصد سے میں آج آپ کے روبرو حاضر ہوا ہوں۔

حضرات انسان کی عطا کی ہوئی قوتوں میں سے قوت گویائی ایک قوت ہے جس کی لذت سے ہر انسان اچھی طرح واقف ہے جس شخص میں گویائی نہیں وہ قدرت کی عطا کی ہوئی ایک لذت سے محروم ہے میں یہ کہتا ہوں کہ ہر شخص اپنے خیالات کا اظہار کرنا چاہتا ہے اور اس کا یہ مقصد ہوتا ہے کہ وہ اپنے خیالات کو دوسروں کے روبرو پیش کر کے داد تحسین حاصل کرے۔ مگر اس کا پیرایہ بیان اور اس کی قوت گویائی اس کے اظہار خیال کے مانع ہوتی ہے جو اس کو آگے بڑھنے نہیں دیتی۔ وہ بہت کچھ کہنا چاہتا ہے

مگر اس کے عقل و ذہن میں الفاظ کا ذخیرہ نہیں محاورات یاد نہیں جس کے سبب اس کے سنہری اور قیمتی خیالات کا پورا پورا اظہار یا اثر سامع پر نہیں پڑتا۔ یہی سبب ہے کہ باوجود اچھے خیالات کا ایک زرین ذخیرہ رکھتے ہوئے ناکام مقرر کہلانے کا مستحق ہوتا ہے اس لیے مجھے یہ کہنے کی اجازت دیجئے کہ اعلیٰ سے اعلیٰ خیالات رکھنے والا مقرر یا خطیب اپنی تقریر یا خطبہ میں اس وقت تک کامیاب نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ جس زبان میں تقریر یا خطاب کر رہا ہو اس زبان کے الفاظ ومحاورات کا ذخیرہ اپنے دماغ میں محفوظ نہ رکھے۔ الفاظ ومحاورات کا صحیح استعمال رات دن لغت کے مطالعہ یا رٹنے سے حاصل نہیں ہوتا بلکہ مختلف کتابوں کے مطالعہ اور قسم قسم کے ادبی ناولوں سے حاصل ہوتا ہے اور کوئی نقطہ یا محاورہ اس وقت تک اپنا ہوکر نہیں رہ سکتا جب تک کہ خود ایک مرتبہ اس کا صحیح استعمال نہ کرلیں۔ میرا خیال ہے بلکہ تجربہ ہے کہ جب الفاظ یا محاورات رٹا کر ضبط ذہن کرنا چاہیں تو وہ ہرگز ہمارے نہیں ہوتے وہ بہت جلد ہمارے ذہن سے حرف غلط کی طرح مٹ جاتے ہیں مگر ایک مرتبہ کا صحیح استعمال اس لفظ یا محاورہ کو آپ کا کر دیتا ہے اور اس کو آپ ہرگز نہیں بھول سکتے مگر یاد رہے کہ جب تک محاورہ یا لفظ کا استعمال اچھی طرح نہ معلوم ہو جائے اس کو استعمال کرنے کی ہرگز کوشش نہ کیجئے آپ کا قلب جس وقت مطمئن ہو جائے میں لفظ کو جس پیرائے میں استعمال کر رہا ہوں وہ بالکل صحیح اور درست ہے تب آپ اس کے استعمال کو اپنے اوپر جائز خیال کیجئے کیونکہ لفظ یا محاورہ کا غلط استعمال بعض وقت مضحکہ خیز صورت پیدا کرتا ہے مثال کے طور پر میں ایک وکیل صاحب کا واقعہ پیش کروں گا۔ مگر وہ وکلا صاحبان سے معافی کی درخواست کرتے ہوئے کہ وہ اس کو برا نہ سمجھیں۔

واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ ایک وکیل صاحب کے مطالعہ میں ''وفات حسرت آیات'' کا لفاظ آتا ہے۔ ایک زمانہ سے اس لفظ کو استعمال کرنے کی ٹوہ میں رہتے ہیں۔ آخر کار ایک مقدمہ ان کے ہاتھ لگتا ہے جو ایک بکری سے متعلق ہے کہ ٹانگہ سے بکری ٹکر کھا جاتی ہے اور یہ مقدمہ جج کے روبرو پیش ہوتا ہے وکیل صاحب نفس مقدمہ کا اظہار جج کے روبرو یوں کرتے ہیں کہ سرکار جو مقدمہ اس وقت عدالت میں پیش کیا جا رہا ہے وہ ایک بیچاری غریب بکری سے متعلق ہے جس کی وفات حسرت آیات ایک تانگہ کے تصادم سے واقع ہوئی ہے۔

اب آپ نے دیکھ لیا کہ ایک لفظ کا غلط استعمال کس قدر مضحکہ خیز ہو گیا کہنے کا مطلب یہ ہے کہ لفظ یا محاورہ کا استعمال برمحل ہو ورنہ مقرر بجائے اپنی تقریر سے سامع پر اثر ڈالنے کے خود سامع کے رعب میں آجاتا ہے۔

حضرات! آپ کے ذہن میں تازہ اور عمدہ الفاظ ومحاورات کا ذخیرہ موجود ہے اور آپ ان کا صحیح طور پر استعمال بھی جانتے ہیں مگر آپ کا لہجہ درست نہیں تو مجھے یہ کہنے کی اجازت دیجئے کہ آپ ہرگز ہرگز مقرر کہلانے کے مستحق نہیں۔صرف ایک ہی جملہ آپ کے لہجہ کے بدل جانے کی وجہ سے بالکل جداگانہ معنیٰ پیدا کرسکتا ہے۔مثلاً ایک جملہ ہے آپ دہلی جائیں گے۔اگر زید سے عمرو کے دہلی جانے کی خبر سنا رہے ہیں تو یہ ایک خبر یہ جملہ ہے کہ یعنی عمرو دہلی جائیں گے اور یہی جملہ اگر آپ کے اپنے دوست سے استجاب کے لہجہ میں لفظ کو زور دیتے ہوئے کہیں کہ آپ دہلی جائیں گے یعنی مطلب یہ ہے کہ آپ کا اور دہلی جانا ایک تعجب خیز بات ہے نہایت تعجب سے کہا جارہا ہے کہ دہلی جائیں گے جو آپ کے لیے ایک ناممکن اور دشوار امر ہے۔یا آپ کی استطاعت سے یہ باہر ہے کہ آپ دہلی جائیں۔

اب یہی جملہ استفہامی طرز میں کسی سے مخاطب ہو کر پوچھا جائے کہ آپ دہلی جائیں گے تو اس میں سوال کے معنیٰ پیدا ہو جاتے ہیں کہ کیا آپ دہلی جائیں گے۔پس آپ نے ان سے معلوم کر لیا کہ کسی جملہ کے استعمال میں لہجہ کو بھی بڑا دخل ہے ذرا سے لہجہ کے بدل جانے پر مقرر کی تقریر پر ایسا برا اثر پڑ جاتا ہے کہ وہ سامع کے دل سے ہرگز ہٹائے نہیں ہٹتا چنانچہ اس موقع پر میں اپنے ایک دوست کا واقعہ بیان کروں گا جن کو صرف اپنے لہجہ کی وجہ ندامت اٹھانی پڑی میرے اور ان کے درمیان ایک مقابلہ کا مضمون دیا گیا تھا جس کو کسی قانون کے مرتب کرنے پر بحث تھی آپ نے دوران بحث میں ایک جھٹکے کے ساتھ فرمایا بتاؤ اٹھارہ سال تک محمد ﷺ نے کیا کیا۔پس اس جملہ پر ساری پبلک مشتعل ہو گئی۔اب مجھ کو خواہ مخواہ پبلک سے مخاطب ہو کر ان تمام کو قابو میں لانا پڑا گو میں مانتا ہوں کہ آپ کی لیاقت اور قابلیت میں کوئی کلام نہ تھا مگر صرف لہجہ خراب ہونے کی وجہ سے سارا مجمع بھڑک گیا۔ اس جملہ کو آپ یوں ادا کر سکتے تھے کہ بتلایئے ہمارے آقائے کونین رسالت مآب ﷺ نے اٹھارہ سال تک کیسے کیسے عمل کیے۔

لہذا تقریر میں لہجے کو درست رکھنا بھی مقرر کے لیے بڑا کمال ہے جو اس کی کامیابی کا ایک گُر ہے

حضرات ! میں نے مان لیا کہ آپ میں قابلیت بھی موجود ہے ادبی نقطہ نظر سے آپ کی زبان نہایت سلیس اور لہجہ بھی درست ہے مگر مجھے یہ کہنے کی اجازت دیجئے کہ اس وقت تک آپ ایک عمدہ مقرر کہلانے کے مستحق نہیں جب تک کہ آپ کے پاس معلومات کا ذخیرہ نہ ہو آپ کی زبان کی خوش بیانی اور آپ کے لب ولہجہ کا ٹھیک ہونا گو آپ کے ایک تنگ معلومات رکھنے والے کوتاہ خیال سامع کی نظر میں ممتاز بنا دے گا۔ مگر ایک عالم فاضل جو معلومات کی گہرائیوں سے جا کر کسی مقرر کی تقریر کو ساعت کرر ہا ہو تو وہ ہرگز آپکی تقریر کو پسند نہیں کریگا تقریر میں معلومات کا پیش کرنا گویا آپ کی تقریر میں جان ڈال دیتا ہے بغیر معلومات کے اظہار کے تقریر بے جان ہے لہذا معلومات کا ذوق صرف کثرت مطالعہ سے پیدا ہوسکتا ہے اگر آپ کسی تقریر کے لیے مدعو ہوں تو ہرگز ہرگز میری طرح لاپرواہ ہو کر تقریر کے لیے نہ جائیں اس عنوان یا موضوع سے متعلق ہزاروں قسم کی کتابوں کا مطالعہ کریں اور اچھی طرح عبور حاصل کرلیں کہ جو دلیل یا واقعہ آپ پیش کریں گے وہ کسی اعلیٰ خیال مدبر عالم کی نظر میں قابل اعتراض نہ ہو۔

حضرات ! مجھے یہ کہنے کی اجازت دیجئے کہ آپ ایک ایسے مقرر بن چکے ہیں کہ تقریر کی روانی میں ہزاروں قسم کے برجستہ الفاظ ومحاورات صف بہ صف چلے آتے ہیں اور ان کی نشستیں نگینوں کی طرح یا مرصع جڑی ہوئی ہیں لہجہ بھی بہت درست ہے اور معلومات کا اظہار بھی بخوبی ہو رہا ہے مگر واعظین اور بعض مقررین کی طرح طرز بیان میں بے ترتیبی ہو تو آپ کی تقریر بے مطلب اور بے معنیٰ ہو جائے گی آپ نے سنا ہے کہ واعظ اپنے واعظ میں آیات قرآنی اس تیزی کے ساتھ پیش کرتے ہیں گویا کوئی حافظ قرآن اپنا حفظ سناتا ہے اور احادیث کی بہتات اس قدر ہوتی ہے کہ سامع فی الوقت یہ سمجھتا ہے کہ وعظ سننے نہیں بلکہ مدرسہ نظامیہ میں احادیث کا درس لینے آیا ہے۔ مگر اختتام وعظ پر وہ کہنے پر مجبور ہوتا ہے کہ یوسف وزلیخا میں کیا رشتہ تھا یا اپنی دکنی مثال میں لیجئے کہ سیتا اور رامچند رجی کے کون تھے۔

اب آپ ہی بتلائیے کہ ایسی بے ربط بے ترتیب تقریر سے سامع پر اداسی نہ چھا جائے یا اس کی طبیعت اکسا نہ جائے تو پھر کیا ہو؟ اب اگر اس پر کوئی اٹھ کر جانے کا ارادہ کرلے تو یہ کونسی بری بات ہے کہ اس پر روز قیامت کی دھمکی دے کر کہا جاتا ہے کہ محشر میں وعظ کا ادھورا چھوڑ کر جانے کا بدلہ لیا جائے گا۔ مگر

میں یہ کہتا ہوں کہ اپنی تقریر دلکشی پیدا ہو تو کیا ممکن ہے کہ کوئی سامع اٹھنے کا بھی ارادہ کرے۔ جب وہ آپ کی تقریروں کی زنجیروں میں جکڑا جائے تو کیا اس کی مجال ہوسکتی ہے کہ ایک قدم بھی آگے بڑھا سکے اس لیے عرض یہ ہے کہ تقریر میں ترتیب اور ربط کا نہایت سختی سے لحاظ رکھا جائے۔ ورنہ آپ کی تقریر بالکل بے معنی سی ہو جائے گی جس سے سامع بھی بیزار ہو جائے گا اور خود آپ کی طبیعت پر اس کا بڑا اثر پڑے گا۔

حضرات ! اگر کسی مقرر میں وہ تمام صفات موجود ہوں جو میں نے آپ سے اب تک بیان کیے ہیں مگر اس کی تقریر اس قدر طویل ہو کہ روزانہ ۱-۲ گھنٹے مسلسل صرف کرنے پر بھی کہیں سال ڈیڑھ سال میں جا کر ختم ہوتی ہے تو میں یہ کہوں گا کہ ایسی تقریر سامعین کے لیے مفید ثابت نہ ہوگی کیوں کہ کسی سامع کے لیے یہ ممکن نہیں کہ ایسی تقریر کے لیے دنیا کے سارے کاروبار منقطع کر کے اپنا سارا وقت برباد کر دیں لہذا مقرر کے لیے یہ ایک اہم امر ہے کہ وہ اپنی تقریر میں وقت کا خاص لحاظ رکھے اور اس کی تقریر پر اس قدر قابو رہے کہ جہاں جیسا قابو پائے اپنی تقریر کو گھٹا بڑھا بھی دے۔ جس طرح ربر میں جس قدر کھینچ لینے اور جس قدر ممکن ہو گھٹا دینے کا ہمیں قابو حاصل ہے بالکل یہی حال تقریر میں بھی ہونا چاہیے اور یہ ایک مقرر کا کمال ہے کہ جن خیالات کو وہ پیش کر رہا ہے انھیں بلحاظ موقعہ وسعت دے سکے اور پھر انھیں خیالات کو کوتاہی کے وقت میں اس عمدگی کے ساتھ اختصار بھی کر سکے سامعین کو یہ پتہ تک نہ چلے کہ تقریر کو گھٹا دیا گیا ہے۔۔۔۔ساتھ ساتھ اس کے میں یہاں مقررین کی اس خامی کو بیان کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ جس کے سبب سامعین پر اثر پڑتا ہے کہ ان سے سستی اور کاہلی کے علامات نمایاں ہونے لگتے ہیں دیکھا گیا کہ اکثر مقرر اپنے بیان کو نہایت عمدگی کے ساتھ پیش کرتے کرتے پانی پینے یا سر کھجانے کی طرف مائل ہو جاتے ہیں اور اس قدر توقف میں چونکہ سامعین بیکار ہو جاتے ہیں اس لیے ان میں کوئی کھانستا' چھینکتا یا کوئی جمائی لیتا ہوا نظر آتا ہے مگر مقرر صاحب اپنی سہولت کی خاطر یا مضمون سوچنے کے لیے اس طرح کا توقف اپنے پر جائز سمجھتے ہیں اور ان کے مدنظر سامعین کی یہ بے توجہی و سستی کا کوئی لحاظ نہیں ہوتا لہذا میں اس طرح تقریر کے تسلسل کو یکلخت روک دینے یا اپنی سہولت کی خاطر تھوڑا توقف لینے کو ہرگز پسند نہیں کرتا کیونکہ سامعین پر جو اثر اس وقت پڑ سکتا ہے وہ تقریر کے اثر کو زائل کر دینے کے لیے بہت کافی ہے۔

دوران تقریر ہی اپنے حرکات وسکنات کو با موقع ادا کرنا بھی ایک مقرر کے لیے ایسا ضروری ہے جس طرح کہ اور ہدایت پر کار بند رہنا کبھی تقریر میں رقص نہ کیا کیجئے۔ بہت سے مقررین اپنی قوت تقریر کے دوران ایسے ایسے حرکات وسکنات کر گزرتے ہیں جس سے سامع بجائے تقریر کا لطف اٹھانے کے ان کے اس رقص وسرود کے مزے لیتا ہے اس کے یہ بھی معنیٰ نہیں کہ آپ بالکل اسٹیچو بن کر صرف مقابل کے سامعین پر اپنی تقریر کا اثر ڈالیں اور جانبین میں کسی کو بھی آپ کی تقریر کا لطف اٹھانا میسر نہ آئے بلکہ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ آپ اپنی تقریر میں ضرور ہر جانب کے سامعین سے مخاطبت کریں آپ کے ہاتھ ہلا کریں اور آپ کی آنکھوں کی پتلیاں پھرا کریں مگر با موقع آپ اسی موقع پر ہاتھ بڑھا کر اپنے جذبات کو پیش کیجئے جہاں کرنا چاہیے آپ کی آواز اسی وقت بلند ہو جب کہ ہونا چاہیے آپ کی آنکھوں اور بھوں کی حرکات کا بدلنا ضروری ہے مگر با موقع اور برمحل ورنہ اس کا بے موقع اور بے جا استعمال ایک مضحکہ آمیز طرز پیدا کر دیتا ہے۔

اس کے بعد ایک تجربہ کار مقرر بننے کے لیے ضروری ہے کہ مقرر سیکالوجسٹ ہو یعنی علم نفسیات سے بھی واقف ہو کیونکہ جس مجمع کے روبرو آپ تقریر فرماتے ہیں ان کی ہزاروں پیشانیاں آپ کے روبرو ہیں اور ان تمام کی نظریں آپ پر جمی ہوئی ہیں ان میں سے کسی کی پیشانی پر شکن پڑ جانا کسی کا شانوں کو ایک دوسرے سے ہلانا کسی کا ماتھی سے اشارہ کرنا اور کسی کا مضحکہ آمیز طرز میں مسکرانا یا کسی کا کسی کو آنکھ سے اشارہ دینا بہت بڑے معنیٰ رکھتا ہے چنانچہ میں نے کسی مذہبی تقریر میں ایک نوجوان پارٹی کو دیکھا جو میرے کسی جملے کو نہایت عمیق نظر سے دیکھتے ہوئے اس کے جداگانہ معنی پیدا کر رہی تھی فوراً ان کے ان اشارے کنائیوں کو میں نے تاڑ لیا اور اپنی تقریر کا ایسا پہلو بدلا کہ ایک لمحہ بعد ہی ان کے چہروں سے وہ بات بالکل باطل ہوگئی جو کچھ دیر بیشتر ظاہر ہو رہی تھی۔

اسی سے متعلق میں اسلام کا ایک تاریخی واقعہ پیش کروں گا مگر غیر مسلم بھائیوں سے اجازت چاہتا ہوا سوا اس کے اس وقت مجھ کو اگر ہندو مذہب وملت اس واقعہ کے نتیجہ پر غور کیا جائے تو ہمیں ایک اچھے قافیہ شناس مقرر کی مثال ملتی ہے جب آنحضرت ﷺ ایک غزوے کے بعد انصار کے مقابلے میں اپنی ملکوں کی تقسیم مال کے وقت کی' ایک ایک یا دو دو اونٹ زیادہ تقسیم فرما رہے تھے تو انصار کا ایک احسان

فراموش طبقہ جس میں ذرا برابر صبر وتحمل نہ تھا یہ اعتراض کر بیٹھا کہ آنحضرت صلعم ہمارے مقابلے میں اپنے ہم وطنوں کی نہایت بے جا طور پر امداد فرمار ہے ہیں یہ بات سرکار ﷺ کے کان تک پہنچی آپ نے حکم دیا کہ تمام انصار جمع ہوں انصار جمع ہوئے اور سرکار ﷺ نے اس کثیر مجمع کے روبرو تشریف فرما ہو کر نہایت موثرانہ طرز میں انصار سے دریافت فرمایا کہ سچ بتاؤ کہ ہم نے تمھاری کیسی امداد کی؟ کیا ہم نے تمھاری امداد میں اپنی کئی جانوں کو قربان نہیں کر دیا؟ کیا ہم نے تمہاری مصائب میں شریک ہو کر تمھاری ہر تکلیف کو دور کرنے کی جان توڑ کوشیش نہیں کیں تم بے بس تمھارے دشمنوں کو پسپا کر کے تمھیں ان کے ہاتھوں سے رہائی نہیں دلوائی آپ نے اس بہتر جذبات ونا امید ہو چکے تھے ہم نے تمہیں پناہ نہیں دی اور کیا ہم نے سے یہ تقریر فرمائی کہ راوی بیان کرتا ہے کہ انصار کا ہر بوڑھا بڑا اشک زار تھا ان کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور ان کا عمر رسیدہ طبقہ بات کو تاڑ گیا اور ان میں سے ایک نے یہ عرض کیا سرکار ہماری کیا مجال ہے کہ ذرا برابر بھی احسان فراموشی کرسکیں یہ تو ہم میں سے نادان اور نوجوان طبقہ کا اعتراض ہے ہم اس لیے معافی چاہتے ہیں تب سرکارؐ نے فرمایا!

ایک طرف مالی ومتاع کا یہ انبار لگا ہے اور دوسری طرف میں تنہا کھڑا ہوں بتاؤ تم میں سے کون ہے جو صرف اس مال ومتاع کو چاہتا ہے ان میں سے ایک نے کہا ہمیں مال ومتاع کی خواہش نہیں بلکہ ہمیں صرف آپ کی اعلیٰ وارفع ذات کی خواہش ہے۔ یہ تھی سیکالوجی کے مطابق تقریر اور یہ تھا علم نفسیات کے ایک تجربہ کار ماہر کا انداز خطاب کہ ذرا سی دیر میں باغی بغاوت کا اعتراف کرتے ہوئے معافی چاہتے ہیں۔ اب میں آپ کے روبرو ایک ایسی مثال پیش کروں گا جس کو میں نے اس وقت پڑھا تھا جب کہ یہ واقعہ میری طالب علمی کے زمانہ میں بطور سبق ایک نصاب میٹرکولیشن کی ایک انگریزی کتاب کا انتخاب تھا اور جس کو میں نے اس قدر دلچسپی کے ساتھ ضبط ذہن کیا تھا کہ آج تک مجھ کو یہ قصہ یاد ہے جب کہ رومتہ الکبریٰ کے دروازے کے قریب جولیس سیزر کا جنازہ لایا جاتا ہے اور تمام اہل ملک ہاتھوں میں مشعلیں لیے ہوئے جنازہ کو جلانے کے لیے بغاوت کرتے ہیں اور اس کے مظالم کی یاد ان کے دلوں میں آگ سے زیادہ مشتعل ہو جاتی ہے مگر اس موقع پر تنہا انتونی اس کثیر باغی مجمع کے مقابلے میں نہایت جرأت واستقلال سے آ کھڑا ہو کر ان تمام کو اپنے طرف مخاطب کرتا ہے اور جولیس کے تعریفوں کو گنواتے ہوئے

اس کے حریف بروٹس کے نقائص اس خوبی سے بیان کرتا ہے کہ جو مجمع جولیس کے جنازے کو آگ لگا دینے آیا تھا وہ اس کی تقریر سے متاثر ہو کر بروٹس اور اس کے خاندان کو جلا دینے پر مستعد ہوتا ہے۔ یہ ہے ایک تجربہ کار سیکالوجسٹ کی تقریر کا اثر جو باغیوں کے پرجوش دلی جذبات کو بھی اپنی مصلحت آمیز تجربہ کاری سے نیست و نابود کر دیتا ہے اور ایک لمحہ میں ان کے خیالات اس قدر متغیر کر دیتا ہے کہ باغی اپنی بغاوت سے شرمندہ ہو کر صرف اس کی تدبیر پر کاربند ہونے میں اپنی عین فلاح و بہبود سمجھتے ہیں ان سب خوبیوں کے باوجود بھی بعض وقت مقرر کی طبیعت موزوں نہیں ہوتی وہ ہر طرح سے اپنی تقریر کے لیے مستعد ہو کر آتا ہے مگر اس کی طبیعت پر ایک قبض پیدا ہو جاتا ہے قبض سے مراد وہ نہیں جس کے دور کرنے کے لیے کسی طبیب کے نسخہ کی ضرورت ہوتی ہے بلکہ قبض سے مراد وہ رکاوٹ ہے جس کو ہمارے معزز وکلاء صاحبان اچھی طرح جانتے ہیں کہ وہ پوری طرح اپنے مقدمہ کی کامیابی کے لیے تیار ہو کر آتے ہیں مگر جج کے روبرو جس وقت بحث کرنا شروع کرتے ہیں تو ایسی رکاوٹ اور قبض طبیعت پر محسوس ہوتا ہے کہ وہ ان تمام چیزوں کو بیان کرنے سے مجبور ہو جاتے ہیں اور بعد میں انہیں اس پر کفِ افسوس ملنا پڑتا ہے کیونکہ کہ ہم وہ تمام نظائر وقوانین نہیں بیان کر سکے جن پر کل پوری طرح عبور حاصل کر آئے تھے۔ چنانچہ مجھ کو بھی کئی مرتبہ ایسے مواقع پیش آئے ہیں کہ میں پوری طرح اپنے موضوع پر تیار ہو کر جاتا تھا مگر ایسا قبض اور رکاوٹ طبیعت پر محسوس ہوتی تھی جس کے سبب وہ تمام واقعات اور دلائل جن پر میں پوری طرح حاوی ہو کر آیا تھا میرے طرز بیان میں آ ہی نہیں سکتی تھیں ایسے واقعات مدرسین صاحبان کو بھی بہت وقت پیش آتے ہیں کہ طالب علم کے ایک معمولی سوال کا جواب وہ وقت پر دینے سے مجبور ہو جاتے ہیں مگر گھر جا کر ذرا سی دیر میں اس کے مطلب اور تصریح کو اس عمدگی کے ساتھ سمجھ جاتے ہیں کہ انھیں بار بار افسوس ہوتا ہے کہ یہ کونسا اہم سوال تھا جس کا جواب ہم اس وقت دے نہ سکے (مدرسین صاحبان کا ہنسنا) آپ حضرات کو ہنسی اس لیے آرہی ہے کہ میں آپ کے پوشیدہ رازوں کو ٹٹول کر بیان کر رہا ہوں۔

ہاں بہر حال کہنے کا مطلب یہ تھا کہ قبض ایسا قبض ہے کہ جس کی کوئی دوا نہیں طبیعت پر شگفتگی و تازگی نہ ہونے کے باعث یہ بات پیدا ہوتی ہے اور اپنے خیالات کا پورا پورا اظہار کرنے سے مجبور ہو جاتے ہیں۔ حضرات ایک اچھا مقرر بننے کے لیے ان تمام صفات کے باوجود ایک اور چیز کی کمی باقی

ہے اگر یہاں اس کا کہنا بے جا نہ ہو تو میں یہ کہ سکتا ہوں کہ وہ چیز مقرر کی جسمانیت اور وجاہت ہے جو اس کی تقریر کامیاب بنانے کے لیے ایک حد تک بڑی مدد دیتی ہے ایک جسیم اور وجیہہ انسان جب کچھ کہنے کھڑا ہوتا ہے تو خواہ مخواہ ہی لوگوں کا مجمع اس کی طرف مخاطب ہو جاتا ہے مگر برخلاف اس کے ہم یہ دیکھیں گے کہ ایک دبلے پتلے انسان کی بلند آواز وہیں ڈوب کر رہ جاتی ہے مجھ جیسے ساڑھے چھ فٹ لانبا لحیم شحیم انسان کا بہت جلد رعب پبلک پر پڑ جاتا ہے مگر نحیف و کمزور شخص کا زبردست موثر طرز اس کے روبرو کچھ کام نہیں کرتا چنانچہ میں اپنی طالب علمی کے زمانے میں میرے ایک ہم جماعت دوست سے جو اس وقت وکیل ہیں ہمیشہ تقریر کے مقابلوں میں شکست کھاتا رہا۔ مگر اس کا کوئی سبب نہیں معلوم ہوتا کہ آج ان کی موجودگی پر بھی مجھ ہی کو تقاریر میں امتیاز حاصل ہو رہا ہے یہ صرف ان کی جسمانیت اور رومانیت کی کمزوری ہے جوان کو میرے مقابلہ میں اس وقت کامیاب نہیں بناتی ورنہ یہ ممکن تھا کہ وہ مجھ سے زیادہ بہتر مقرر کہلاتے لہذا مقرر بننے کے شوق میں آپ ضرور کچھ جسمانیت کو بڑھانے کی بھی کوشش ساتھ ساتھ فرمائیے اس موقع پر سامعین میں سے ایک معزز صاحب نے کرسی سے اٹھ کر فرمایا کہ ساڑھے چھ فٹ لانبے ہونے کی ترکیب بھی فرما دیجئے) آپ نے شکریہ کہہ کر ہنستے ہوئے اپنے سلسلہ کلام کو یوں جاری رکھا۔ ورنہ بغیر اس کے آپ بہتر مقرر اور اچھے خطیب نہیں ہو سکتے (مسکراتے ہوئے) ابھی میرے ایک دوست نے فرمایا کہ وہ ترکیب بھی بتلا دوں جس سے کہ سوا چھ فٹ لانبا قد ہو جائے تو اس کے لیے بھی یہ ترکیب ہے کہ رات کے ساڑھے بارہ بجے نیند سے بیدار ہو کر خدا سے دعا مانگیں کہ سوا چھ فٹ لانبا ہو جاوں۔

حضرات! ان تمام کے باوجود مقرر کی کامیابی کا باعث قدرت بھی ہے۔ مشیت جس کو چاہتی ہے یہی فطرت عطا کرتی ہے کہ وہ خود بخود اس میں ترقی کر سکے مقرر اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کی فطرت میں روانی نہ ہو زبردستی اور خواہ مخواہ ہی ذوق پیدا کر لینے سے بھی گو مقرر بن سکتے ہیں مگر وہ بات نہیں پیدا ہو سکتی جو فطری طور پر کسی مقرر کو عطا کی گئی ہو چنانچہ غالب کو دیکھئے کہ نظم میں جیسی دماغی قوت فطرتاً موجود تھی وہ نثر میں نہیں تھی اس طرح گو میں تقریر میں تو بہت کچھ اظہار خیالات کر سکتا ہوں مگر یہی روانی اور فطری تقاضہ مجھ میں نظم کی تنظیم کے لیے نہیں اب یوں تو اگر آپ کوئی ایک

جملہ دے دیں تو اس کو نظم کر کے پیش کر دوں مگر فطری طور پر جو عبور مجھ کو نثر کی تحریر و تقریر میں حاصل ہے وہ نظم میں نہیں لہذا کہنے کا مطلب یہ ہے کہ تقریر میں حاصل ہے وہ نظم میں نہیں لہذا کہنے کا مطلب یہ ہے کہ تقریر یا خطابت میں شوق پیدا کرنے سے پیشتر اپنی فطری روانی کا بھی مطالعہ کر لیں کہ وہ بھی اس طرف مائل ہے یا نہیں ورنہ کامیاب مقرر بننے کا خیال خام ہے مگر یہ ضرور ہو سکتا ہے کہ آپ اپنی محنت سے مقرر بن جائیں گے مگر فطری تقاضہ پر جو روانی اور خوبی آپ کی تقریر میں پیدا ہو سکتی ہے وہ ذرا محال ہے۔
اب میں اپنی تقریر کے ختم پر طلباء ورنگل کی طرف مخاطب ہو کر ان کے اس نقص کو بیان کرنا چاہتا ہوں جو اس وقت میرے مظاہرے میں آ رہا ہے میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ کسی طالب علم کے ہاتھ ایک چھوٹا سا کاغذ کا ٹکڑا ہے اور پنسل تاکہ اس تقریر کی چند سرخیوں کو ایک جگہ کر کے اپنے طالب علمانہ ذوق کا سچّا اظہار کر سکیں ۔شاید ممکن ہو کہ یہاں کے طلبا اس قدر ذہین اور چالاک ہیں کہ انھیں یادداشتیں لکھنے کی بھی چنداں ضرورت نہیں ہوتی میرا خیال ٹھیک ہو تو پرنسپل صاحب کالج کو میں مبارکباد دیتا ہوں کہ آپ نہایت خوش نصیب صدر ہیں جو ایسے ذہین طلبا کی صدارت کا عزو شرف حاصل کر رہے ہیں اگر ایسا نہیں تو طلباء کو ہدایت کرتا ہوں کہ ایسے موقع پر جو بار بار حاصل نہیں ہوتے ان کے استفادہ سے کماحقہٗ فائدہ اٹھانے کی کوشش کریں کیونکہ طالب علم ہر وقت اور ہر کام میں طالب علم ہے خواہ وہ کسی بزرگ کی نصیحتوں کو سن رہا ہو یا خواہ کسی باغ کی سیر کر رہا ہو اس کی طالب علمی صرف مدرسہ کی چار دیواری تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ کائنات کی ہر شئے میں اس کے لیے ایک نیا سبق ہے۔طالب علم کا یہ فرض ہے کہ کسی تقریر یا مباحثہ میں شرکت نہ کرے جب تک کہ اس کا یہ خیال نہ ہو کہ میں اس تقریر یا مباحثہ کا استفادہ نہ صرف اس مجلس کی حد تک حاصل کروں گا بلکہ وہ میری آئندہ زندگی میں طالب علمی کا کارنامہ بن جائے ۔

☆☆☆

ہوائی حملوں سے بچاؤ

دوسری قرارداد پیش کرتے ہوئے حضرت قائد ملت نے ۱۵/ مارچ ۱۹۴۲ء کو یہ تقریر دوران جنگ عظیم فرمائی تھی (بحوالہ رہبر دکن ۱۶/ مارچ ۱۹۴۲ء)

خدا کا شکر ادا کرتا ہوں کہ جس نے وقت کا صحیح احساس عطا فرمایا۔ وہ قومیں جو وقت کا صحیح اندازہ نہیں کرتیں وہ جلد مصائب کا شکار ہو جاتی ہیں۔ آج سے دو مہینہ قبل جب کہ جنگ کے بادل ہندوستان سے قریب اور سنگاپور کے نزدیک پہنچتے جارہے تھے اس وقت میں نے وقت کا احساس کر کے مجلس اتحاد المسلمین کے خطبہ صدارت میں بمقام جالنہ اس کا اظہار کیا تھا کہ اب وقت آ گیا ہے کہ ساری کشمکش کو ختم کر کے ہم وقت کی اہم ترین ذمہ داری کو ختم کر دیں سیاسی اختلافات بھی اسی طرح ہیں جس طرح کہ بعض اختلافات جزو زندگی ہو جا سکتے ہیں مگر اس کا یہ وقت نہیں پہلے اس مصیبت سے نبٹ لینے کے لیے ہم نے ان کو بالائے طاق کر دیا ہے اور ہم نے یہ طے کر لیا ہے کہ کسی سیاسی کشمکش کو اہمیت نہ دیں گے ممکن ہے کہ حیدرآباد کی فضا پھر ایک ہو جائے اور پھر ویدیہ صاحب اور میں الجھنے لگیں اور پھر دائمی تعاون کی صورت پیدا ہو جائے۔

ہم اس مشکل کو مشترکہ طور پر برداشت کریں گے اور اس کو اپنے ملک سے دور رکھیں گے۔ وقت کا تقاضہ ہے کہ ہم سب مل جل کر آنے والی آفتوں کا مقابلہ کریں اور ایک دوسرے سے مل کر ایک آہنی اور

مضبوط دیوار بن جائیں۔ آنے والی مصیبتوں کے وزن کو گھٹا دیں اور ایک ہو کر یہ بتلا دیں کہ ہمارے بلند عزائم میں کوئی رخنہ نہیں ڈال سکتا میں اس وقت آپ کو اپنی ایک اہم ضرورت کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ مشکلات سے آپ کو واقف رکھنے کے لیے آپ اپنے خادموں کی ایک جماعت کو منتخب کریں جو آپ کے جذبات کی ترجمانی کرے گی اور صدر اعظم بہ اجلاس کونسل سے مل کر حکومت کے ساتھ ہم کیا تعاون کر سکتے ہیں اس سے واقف کرائے گا اور خود آپ کو با اختیار بنانے کی کوشش کرے گی۔

سائنس اور تہذیب کی بڑھتی ہوئی رفتار کو دیکھ کر کہ کس طرح دنیا تباہی و بربادی کا شکار ہوگئی کئی سال پہلے ہندوستان کے حکیم و فلسفی شاعر علامہ اقبال نے انجام کا اچھی طرح پتہ لگا لیا تھا اور صاف صاف کہہ دیا تھا کہ:۔

دیارِ مغرب کے رہنے والو خدا کی بستی دوکاں نہیں ہے

جس قوم نے اپنی تہذیب کو آج اپنی حفاظت میں نہیں رکھا وہ تہذیب آج اپنے ہاتھوں تباہ و برباد ہو رہی ہے ان کی تباہی برحق، ان کی بربادی برحق لیکن آپ کا خوف وہراس ناحق۔ جب دنیا کے بسنے والے خدا سے ڈرنا چھوڑ دیتے ہیں تو خدا کی کائنات کا ہر ذرّہ ان کو ڈراتا ہے لیکن جب خدا سے ڈرتا ہے تو کائنات ارض و سما اس سے ڈرنے لگتے ہیں جو سب سے بڑا اینٹی ایر کرافٹ گن ہے اس کے دامن کو جو تھاما اس پر کوئی آفت ضرب نہیں لگا سکتی پھر دیکھو کہ دنیا کی ساری بلائیں ہیچ ہیں۔

دنیا والو! میرے گھر میں مجھ کو ناراض کر کے جب کوئی نہیں رہ سکتا تو پھر اس کو راضی نہ رکھو گے تو اس دنیا میں تم پر خواریاں آئیں گی اور عذاب آئیں گے۔

مصیبت کا آنا برحق ہے لیکن ہراساں اور پریشان ہونا انسانیت کی شان سے گری ہوئی چیز ہے۔ اس وقت ہم کو مستقل مزاجی سے مشکلات پر قابو پانا ہے۔ اس وقت ہم کو ایک ہو کر کام کرنا چاہیے۔ مسٹر ویدیہ نے صحیح کہا کہ دشمن کا گولہ جب گرتا ہے تو نہ مسلمان کا گھر دیکھتا ہے اور نہ ہندو کا تو پھر تم کو اس سے واقف ہو کر میدانِ عمل میں گامزن ہونا چاہیے ہر مسلمان کا فرض ہے کہ مصیبت کے وقت ہر ایک کے لیے اپنا دروازہ کھلا رکھے خواہ وہ ہندو بھائی ہوں یا کوئی اور ۔۔۔ مجھے توقع ہے کہ

آپ ضرور اس قرارداد کو منظور کریں گے۔

اقبال کا پیام آزادی

یوم اقبال کے سلسلے میں ۱۵؍دسمبر ۱۹۴۰ء کو زمرد محل ٹاکیز میں جناب سید عبدالعزیز صدر المہام حکومت آصفیہ کی زیر صدارت ایک عظیم الشان جلسہ منعقد کیا گیا تھا اس جلسے میں حضرت قائد ملت نے ''اقبال کا پیام آزادی'' پر جو بصیرت افروز تقریر فرمائی وہ ہدیہ ناظرین ہے۔

حمد و نعت کے بعد فرمایا:۔

خرد کی تنگ دامانی سے فریاد
تجلّی کی فراوانی سے فریاد
گوارا ہے اسے نظارۂ غیر
نگہ کی نا مسلمانی سے فریاد

سچّا شاعر وقت کے دربار کا نقیب ہوتا ہے اور وہی باتیں اس کی زبان سے شعر کا جامہ پہن کر نکلنے لگتی ہیں جو وقت کی ضرورت اور زمانہ کا تقاضہ ہوتی ہیں ۔ اگر اقبال انیسویں صدی میں پیدا ہونے کی بجائے پندرھویں صدی یا سولھویں صدی میں پیدا ہوتے تو شاید ان کی شاعری میں ہم کچھ اور پاتے ہماری خوش نصیبی سے وہ اس زمانہ میں پیدا ہوتے ہیں جب کہ نہ صرف ہندوستان بلکہ سارا عالم اسلام نہ صرف

عالم اسلام بلکہ سارا جہانِ مشرق معاشی' سیاسی اور ذہنی حیثیت سے مغرب کی غلامی کی لعنت میں گرفتار تھا۔ اقبال کا دل اور وہ حساس دل جس کو قدرت کا بہترین عطیہ کہنا چاہیے اپنے ماحول کی ان کیفیات سے تڑپ اٹھتا ہے اور وہ اپنی اس غلامی کا نوحہ پڑھنے لگتے ہیں۔ کہا ہے ؎

شرق و غرب آزاد ما نخچیر غیر　　　خِشت ما سرمایۂ تعمیر غیر
زندگانی برمراد دیگراں　　　جاوداں مرگ است نے خواب گراں

جب وہ سیاسیات حاضرہ کی تماشہ گاہ پر نظر ڈالتے ہیں تو ان کو ہر طرف اصحاب تسلط واستبداد کی مکر سامانیوں اور فریب کاریوں سے سابقہ پڑتا ہے ان کو یہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ غلاموں میں کس طرح نشئہ غلامی کو تیز تر کرنے کی کوشش کی جارہی ہے اور غلاموں کے قلب ودماغ کو کس طرح دیوار محبس میں آسودہ رہنے کی تعلیم دی جارہی ہے۔ وہ مرغ زیرک کی دانہ مستی پر تڑپ جاتے ہیں اور اس سیاسیات حاضرہ کو توڑنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں اور اس کی نسبت یوں نغمہ سرا ہوتے ہیں ؎

می کند بندِ غلامان سخت تر　　　حُریّت می خواند او را بے بصر
درفضایش بال دپرنتواں کشود　　　باکلیدش ہیچ نتواں کشود
گفت بامرغِ نفس اے دردمند　　　آشیاں درخانۂ صیاد بند
ہرکہ سازو آشیاں دردشت و مرغ　　　اونباشدایمن ازشاہین و چرغ''
ازفسونش مرغ زیرک دانہ مست　　　نالہ ہا اندرگلوئے خودشکست
الحذر از گرمئ گفتار اُو　　　الحذر از حرف پہلودار اَو

اقبال کو اقوام مستبد وغالب کی ان فسوں کاریوں سے زیادہ اقوام مغلوب ومحکوم کی کوتاہیوں پر غصہ آتا ہے وہ سمجھتے ہیں کہ غالب اپنی حاکمیت میں اتنا قصوروار نہیں جتنا مغلوب اپنی محکومیت کے لیے ذمہ دار ہے کہتے ہیں ؎

جاں بھی گروِ غیر' بدن بھی گروِ غیر !
افسوس کہ باقی نہ مکاں ہے نہ مکیں ہے

یورپ کی غلامی پہ رضامند ہوا تو
مجھ کو تو گلہ تجھ سے ہے یورپ سے نہیں ہے

انھوں نے بار ہا اس بات کو ظاہر کیا کہ خواجگی کی مشکلوں کو آسان کرنے میں تمام تر مجرم غلام کی خوئے غلامی ہے ۔

دورِ حاضر ہے حقیقت میں وہی عہد قدیم
اہلِ سجّادہ ہیں یا اہلِ سیاست ہیں امام
اس میں پیری کی کرامت ہے نا میری کا ہے زور
سینکڑوں صدیوں سے خوگر ہیں غلامی کے غلام !
خواجگی میں کوئی مشکل نہیں رہتی باقی
پختہ ہوجاتے ہے جب خوئے غلامی میں غلام !

انھوں نے ان صفات کو ایک ایک کر کے گنایا ہے جو قوموں میں گھن کی طرح لگتی ہیں آگ کی طرح بھڑ کنے لگتی ہیں اور ان کو عضو معطل بنا دیتی ہیں ۔ ان صفات کا ذکر جس درد بھرے انداز میں انھوں نے کیا ہے وہ ان کے قلب کی دردمندانہ کیفیات کا آئینہ دار ہے ۔ کہتے ہیں ۔

وائے قومے کشتہ تدبیر غیر — کارِ او تخریب خود تعمیر غیر
می شود درعلم وفن صاحب نظر — از وجودِ خود نگردد باخبر!
نقشِ حق را از نگینِ خود سترُد — درضمیرش آرزو یازادومرُد
از حیا بیگانہ پیران کہن — نوجواناں چوں زناں مشغول تن
درد دلِ شاں آرزو ہا بے ثبات — مردہ زایند از بطون امّہات
ہر زماں اندر تلاشِ ساز و برگ — کارِ او فکرِ معاش و ترس مرگ
منعمانِ او بخیل وعیش دوست — غافل از مغزا اندواندر بند پوست
دین او عہد وفابستن بغیر — یعنی از خشتِ حرم تعمیر دیر

اقبال کو قوم سے زیادہ امیرانِ قوم پر غصہ ہے جو اس گلہ کے چرواہے ہی اور اس قافلہ کے سالار اور جن کی تن پرستی درجاہ مستی نے کم نگاہی اور کلیا دوستی نے نور جان سے محرومی اور لا الہ سے بدنصیبی نے قوم کو غلامی کے بُرے دن دکھائے ان کی نسبت کہتے ہیں ۔

داغم از رسوائی ایں کارواں　　در امیر او ندیدم نورِجاں
تن پرست وجاہ مست وکم نگہ　　اندرونش بے نصیب از لا الہ
درحرم زاوہ کلسا را مرید　　پردہ ناموس مارابردرید

آپ کو جتنا غصّہ امیروں پر ہے اتنا ہی قوم کے شعراءحکما اور علماء پر جو ہمیشہ قوموں کی زندگی میں رہبر ورہنما رہے ہیں جن کی گرمی گفتار اور پختگی کردار سے قوم کے لیے نشان راہ پیدا ہوتے ہیں جن کے فہم صحیح اور فکر مرتب نے مشکلات کے دشت وجبل کاٹ کر منزل کے قریب ترین راستے پیدا کیے۔ اقبال کو غم ہوتا ہے کہ غلام قوموں میں شعراء بھی پیدا ہوتے ہیں اور علماء حکماء بھی لیکن ان کی فکر شیروں کو رم آہو سکھاتی ہے۔ قوموں کو غلامی پر رضامند کرتی ہے اور جب ان کا ضمیر انھیں ملامت کرتا ہے تو ان کا دماغ ان کو تاویل کا مسئلہ سکھا دیتا ہے۔

شاعر بھی ہیں پیدا علماء بھی حکماء بھی؛
خالی نہیں قوموں کی غلامی کا زمانہ!
مقصد ہے ان اللہ کے بندوں کا مگر ایک
ہر ایک ہے گو شرحِ میں معانی میں یگانہ!
”بہتر ہے کہ شیروں کو سکھادیں رمِ آہو
باقی نہ رہے شیر کی شیری کا فسانہ“!
کرتے ہیں غلاموں کو غلامی پہ رضامند
تاویلِ مسائل کو بناتے ہیں بہانہ !

اقبال کا شاہین زادہ

۲۱/اپریل ۱۹۳۹ء کو بزم اقبال حیدرآباد کے زیر اہتمام ''جشن یوم اقبال'' زمرد محل ٹاکیز میں بڑے اہتمام سے منایا گیا تھا۔ یہ عجیب حسین اتفاق ہے کہ حضرت قائد ملّت کی یہ تقریر جو انھوں نے ''اقبال کا شاہین زادہ'' کے زیر عنوان فرمائی ایک سال کی زباں بندی کے بعد کی پہلی تقریر ہے۔

میرے نالے فضائے حیدرآباد سے کچھ اس طرح نا آشنا ہو چکے تھے کہ مجھے یاد بھی نہ تھا کہ آج تقریر کرنی ہے۔ آج سے دیڑھ سال قبل علامہ اقبال کی زندگی میں اقبال کے تصور مومن کو پیش کر کے خود ان سے داد حاصل کی تھی اور آج ان کے انتقال کے بعد مختصراً اپنا تحفہ عقیدت ان کی سرمدی اور ابدی دعاؤں کی امید پر پیش کر رہا ہوں۔

اقبال کے پیام کا سب سے نمایاں حصہ مسلمان کی خودی کو بیدار کرنا ہے۔ اپنے پورے کلام میں انھوں نے اسی چیز کو بہ انداز مختلف پیش کیا ہے اس کے لیے انھوں نے جو تشبیہیں اختیار کیں ان میں سے سب سے زیادہ نمایاں شاہین اور شاہین زادہ کی تشبیہیں ہے وہ جتانا چاہتے ہیں کہ مسلمان کرگس خاکی نہیں بلکہ شاہین بلند پرواز وفضاء پیاء ہے اقبال کے کلام کا رنگ شاہ بازی سکھاتا ہے۔ انھوں نے بتایا کہ مسلمان کا مقام صحبت مرغ چمن نہیں بلکہ وسعت ارض وسما ہے۔

اس سلسلہ میں انھوں نے فطرت انسانی کے بہت سے پوشیدہ گوشوں کو نمایاں کیا۔ یہ حقیقت ہے

کہ انسان جب محنت ومشقت کے بغیر رزق حاصل کرنے لگتا ہے اوراس کا عادی بن جاتا ہے تو اس کی بہت سی ایسی صلاحتیں اس سے چھین جاتی ہیں جن پر اس کی باعزت انفرادی واجتماعی زندگی کا مدار ہے۔
ان انسانی صلاحیتوں میں سب سے ضروری اور اہم صلاحیت انسان کی شجاعت اور اس کا جذبہ عزت نفس ہے اور مفت خوری کا اثر سب سے زیادہ اسی صلاحیت پر پڑتا ہے اور شجاعت وبلند ہمتی حُین وپستی خیال سے بدل جاتی ہے اسی کو اقبال نے اس شعر میں بڑے اچھے انداز میں بیان کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ اگر شاہین بچوں کو بھی پابند قفس کر کے عطائے صیاد کا امیدوار بنادو تو چند روز میں بیڑ کے پر کی پھڑ پھڑاہٹ سے بھی لرزہ براندام ہو جائیں گے۔

تنش ازسایہ بال تدروے لرزہ می گیرد
چو شاہیں زادہ اندر قفس بادانہ می سازد

تم غور کرو کہ کیا حیدرآباد کا مسلمان گزشتہ دوسو سال سے اندر قفس بادانہ ساختن کا عادی نہیں ہو گیا ہے اور کیا اسی کا نتیجہ آج شاہین زادہ کی سایہ بال تدرو سے لرزہ براندام نہیں ہے۔
اقبال کے نزدیک آرام وراحت زاغ وزغن کا کام ہے اور قید وصید کی بندشیں قسمت شاہین کی سعادت اور جب تک کوئی ان مرحلوں سے نہیں گزرتا عزت واحترام کے مقام رفیع کو حاصل نہیں کر سکتا وہ کہتے ہیں۔

شہ پر زاغ وزغن دربند وقید وصید نیست
کیں سعادت قسمت شہ بازو شاہین کردوانہ

انھوں نے مسلمانوں کو ترغیب دلائی کہ کرگس کی دوں ہمتی چھوڑیں اور شاہین کی پرواز اپنے بال و پر میں پیدا کریں۔

پرواز ہے دونوں کی اسی دہر میں لیکن
شاہین کا مقام اور ہے کرگس کا مقام اور

اقبال کے نزدیک علم وفراست اپنی تمام خوبیوں کے باوجود اس وقت تک بے قیمت ہیں جب تک ان کا حامل تیغ وسپر سے بھی آراستہ نہ ہو ان کے نزدیک شاہین زادگی کی شرط اول مرد غازی کی تیغ وسپر سے موانست ہے۔فرماتے ہیں کہ۔

من آن علم وفراست با پر کا ہے نمی گیرم
کہ از تیغ وسپر بیگانہ سازد مرد غازی را

فلک زحل غداران ملّت

اقبال ان سب سے زیادہ ان غداران ملّت کی یاد سے آتش زیر پا ہو جاتے ہیں جنہوں نے حقیر و نا قابل لحاظ قیمت پر ملّت کی آزادی فروخت کر دی۔ جن کی جاہ پرستی اور خطاب دوستی نے قوموں کی زنجیر غلامی کی کڑیاں مضبوط کیں سب سے زیادہ عجیب ''جاوید نامہ'' کا وہ مقام ہے جہاں اقبال پر رومیؒ کی معیت میں ہفت افلاک کی سیر کرتے ہوئے فلک زحل پر پہنچتے ہیں اور اس دریائے خون کو دیکھتے ہیں جس کی موجیں طوفان خون اٹھا رہی ہیں جس کی فضاؤں میں طیور خوش الحان کی بجائے مار و کژدم اڑ رہے ہیں اور جن کے التہاب میں پارہ پارہ ہائے کوہ پگھل رہے ہیں۔ ان کو حیرت ہوتی ہے کہ اس طوفانی سمندر خونین میں ایک چھوٹی سی کشتی پر دو بدنصیب تھپڑے کھاتے دکھائی دے رہے ہیں۔ اقبال ان کی مصیبت پر تڑپ اٹھتے ہیں اور پیر رومیؒ سے ان کا حال دریافت کرتے ہیں۔ پیر رومی نے بتایا کہ وہ قوم فروش غدار ہیں جنھوں نے ہندوستان کی آزادی اقوام مغرب کو بیچی اور بہت ارزاں بیچی ان میں سے ایک ''بنگال'' کا میر جعفر اور دوسرا دکن کا ''میر صادق'' ہے اقبال کی آنکھوں سے حیرت و استعجاب کی کیفیت ابھی مٹی بھی نہیں کہ ابواب فلک وا ہوتے ہیں اور اقبال ایک حسینہ کو فضائے بسیط کی پہنائیوں سے اترتا ہوا دیکھتے ہیں اس کا حسن عالم آشوب اقبال کی آنکھوں کو خیرہ کر دیتا ہے لیکن اس کے پاؤں کی مضبوط اور وزنی زنجیریں چند ہیائی ہوئی آنکھوں کو اشک آلود بنا دیتی ہیں اور اقبال کا دل تڑپ اٹھتا ہے جب وہ پیر رومیؒ سے سنتے ہیں کہ یہ حسینہ روح ہندوستان ہے جس کے پاؤں میں غلامی کی مضبوط زنجیریں پڑی ہوئی ہیں۔ روح ہندوستان اپنے ایک فرزند سعید کو دیکھ کر بے اختیار وجد سرا ہوتی ہے اور کا نوحہ اقبال کے شاہکار 'جاوید نامہ' کا شاہکار ہے سنیئے اور ان کانوں سے سنیئے جن کانوں سے اقبال نے سنا تھا۔ تڑپ

جائیے اوراس طرح تڑپیئے جس طرح اقبالؒ تڑپا تھا اور کوشش کیجئے کہ سرزمین ہند پھر کسی جعفر وصادق کو نہ پیدا کر سکے اور اگر پیدا ہو تو آپ کے دست و بازو اس کو قوم فروشی کا موقع نہ دے سکیں ؎

شمع جاں افسر دور فانوس ہند
ہندیاں بیگانہ از ناموس ہند
مرد کے نامحرم از اسرار خویش
زخمہ ء خود کم زند بر تار خویش!
بند ہا بردست و پائے من ازوست
نالہ ہائے نارسائے من ازوست
کے شب ہندوستاں آید بروز
مرد جعفر زندہ روحِ او ہنوز
تا زقید اک بدن وامی زہد
آشیاں اندر تن دیگر نہد
گاہ اور ابا کلیسا ساز باز
گاہ پیش دیر یاں اندر نیاز
دین او آئین او سوداگری است
عنتری اندر لباس حیدری است
ظاہر او از غم دیں دردمند
باطنش چودیریاں زنار بند
جعفر اندر ہر بدن ملت کش است
ایں مسلمانے کہن ملت کش است
خندخنداں است وباکس یا یار نیست
ماد اگر خنداں شود جز ماد نیست یار نیست
ملتے راہر کجا غارت گرے است
اصل او ، از صادقے یا جعفر است

الاماں اے روحِ جعفر الاماں
الا ماں از جعفر ان ایں زماں

اس غلامی کے تصور سے اقبال پر ندامت وشرمندگی کی جو کیفیات طاری ہوتی ہیں وہی ان کے کلام اور کلام کے اثر کی روح ہیں۔غلامی میں ساری قوم مبتلا ہے لیکن معلوم ہوتا ہے کہ ساری قوم کی شرمندگی سمٹ کر قلب اقبال میں جمع ہوگئی ہے وہ اس عالم غلامی میں اپنے قیام صلوٰۃ کو بے حس اپنے سجدہ کو بے سرور پاتے ہیں باوجود اس کے حق اپنے صد ہا جلوؤں کو ان پر بے نقاب کر دیا لیکن ان کی حق پرستی کا اعلیٰ ترین مقام یہ ہے کہ وہ قلب غلام کو جلوۂ حق کے ایک نفس کا بھی مستحق نہیں پاتے ان کے نزدیک غلام جلال خداوندی اور جمال لازوالی سے بے خبر ہے اور اس سے بڑھ کر وہ غلام میں کسی لذت ایمان کی تلاش کو بے سود سمجھتے ہیں چاہے وہ حافظ قرآن ہی کیوں نہ ہو۔ان کے نزدیک صرف عید آزادان شکوہ ملک ودین ہے اور غلاموں کی عید مومن کہلانے والوں کے ہجوم سے زیادہ کچھ نہیں۔

از قیام بے حضور من پرس — از سجود بے سرور من پرس
جلو ہ حق گرچہ باشد یک نفس — قسمت مر دان آزاد است وبس
مرد آزادے چو آید در سجود — در طوافش گرداز چرخ کبود
ما غلاماں از جلالش بے خبر — از جمال لازوالش بے خبر
از غلامے لذتِ ایماں مجو — گرچہ باشد حافظِ قرآں مجو

عید آزاداں شکوہ ملک ودیں
عید محکو ماں ہجوم مومنیں

اس ندامت وشرمندگی کا انتہائی مقام وہ ہے جہاں اقبالؒ حالت غلامی میں اپنی زبان سے نام آقائے کائنات صلعم نکالتے خجالت سے عرق عرق ہوجاتے ہیں ان کے نزدیک اس بندہ خدامست وخود آگاہ کا اسم گرامی تقدس و پاکی کا وہ نشاں ہے جس کو کسی غلام کی زبان سے آلودۂ تکلم نہ ہونا چاہیے۔جس کی صدائے قم نے غلاموں کی قبروں سے لاکھوں مردوں کو اٹھا کر آزادی کے تخت پر بٹھایا۔اقبال اپنے آپ کو عالم غلامی میں اس کے نام نامی پر درود پڑھنے کے قابل بھی نہیں پاتا۔

گرچہ دانا حال دل باکس نگفت　　از تو دردخویش نتوانم نہفت
تا غلامم در غلامی زاد ہ‌ام　　زآستانِ کعبہ دور افتادہ ام
چوں بنام مصطفے خوانم درود　　ازخجالت آب می گردو وجود
عشق میں گوید کہ اے محکوم غیر　　سینہ تواز بتاں مانند دیر

تانداری　　از　　محمد رنگ　　وبو
ازدرود　　خود　　میالا نام　　او

’’دل روشن اور نفس گرم‘‘

اقبال نے ایک سے زیادہ مقامات پر آزاد و محکوم کا فرق واضح کیا ہے انھوں نے بتایا کہ آزاد محکوم میں کوئی نسبت نہیں ہوتی آزاد کے رگ کی سختی مظلوم کے رگ تاک کی طرح نرم رگ میں پیدا نہیں ہوسکتی۔ایک کا دل زندہ پرسوز اور طربناک اور دوسرے کا دل مردہ،افسردہ اور نومید ہوتا ہے ایک کی دولت دل روشن اور نفس گرم اور دوسرے کا سرمایہ فقط دیدہ نماک یہاں تک کہ ایک خواجہ فلک ہے اور دوسرا بندۂ

افلاک ۔اقبالؒ اپنی ملت کوپہلی صف میں دیکھنا چاہتے ہیں اور دوسری صف کوالگ کرنا چاہتے ہیں کتنے کان ہیں جوان کوصحیح سن رہے ہیں۔

آزادی کی رگ سخت ہے مانندرگ سنگ
محکوم کی رگ نرم ہے مانند رگ تاک
محکوم کا دل مردہ وافسردہ و نومید
آزاد کا دل زندہ وپر سوز طربناک
آزادی کی دولت دل روشن نفس گرم
محکوم کا سرمایہ فقط دیدہ نمناک
محکوم ہے بیگانہ اخلاص ومروت
ہر چند کہ منطق کی دلیلوں میں ہے چالاک
ممکن نہیں محکوم ہو آزادی کا ہم دوش
وہ بندہ افلاک ہے یہ خواجہ افلاک

پیشہ روبہی

اس فرق کونمایاں کرنے کے بعدانھوں نے کبھی دنیا کی ہرمشہورومحکوم قوم کواور کبھی ان میں سے ہرایک جداجدامخاطب کیاہےاور درس آزادی دیاہے وہ کبھی اقوام مغرب کی طرف پلٹ کر کہتے ہیں کہ جلوہ کے رنگ رنگ سے باہرنکلیں اورترک فرنگ کے ذریعہ اپنی خودی کو پہچانیں اور حاصل کریں۔ان کو سکھاتے ہیں کہ'' مکرغریباں سے واقف ہوجانے کے بعد'' پیشہ روباہی سے کام نہیں چلتا اس میدان میں شیرہی جی سکتے ہیں اورصرف شیراور پھرشیر درو باہ'' کی تمیریوں سکھائی کہ ایک کی تلاش صرف آزادی یا موت کی منزل سے آگےنہیں بڑھتی۔

گز رمکرغریباں باشی خبیر | روبہی بگذر دشیری پیشہ گیر
چیست روباہی تلاش ساز وبرگ | شیرمولا جوید آزادی ومرگ

خودی اور لذت نمود

وہ کبھی فلسطین کے عربوں کی طرف مڑتے ہیں اور ان کو سمجھاتے ہیں کہ تیرے وجود میں اب بھی وہ آگ چھپی ہوئی ہے جس کے سوز سے زمانہ فارغ نہیں ہوا ان کی رہبری کرتے ہیں کہ ------۔ تمھاری دوا جنیوا یا لندن میں نہیں کیوں کہ فرنگ کی جان تو یہود کے پنجہ میں پھنسی ہوئی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے غلام رقبوں کی نجات کا صرف ایک ہی نسخہ تلاش کیا وہ ان قوموں میں خودی کی بیداری اور لذت نمود ہے۔ان ہی کی زبان سے سنیئے۔

زمانہ اب بھی نہیں جس کے سوز سے فارغ
میں جانتا ہوں وہ آتش ترے وجود میں ہے
تیری دوا جنیوا میں ہے نہ لندن میں
فرنگ کی رگ جاں پنجہ یہود میں ہے
سنا ہے میں نے غلامی سے امتوں کی نجات
خودی کی پرورش ولذت نمود میں ہے

ان کو ہم کبھی حجازی عربوں سے مخاطب پاتے ہیں وہ انہیں روح پاک مصطفٰے کا واسطہ دیتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ تمہاری بداعمالیوں نے اس روح مقدس کو تڑپا رکھا ہے انہیں کی شان میں ایک جگہ کہتے ہیں۔

لے گئے تثلیت کے فرزند میراث خلیل
خشتِ بنیاد کلیسا بن گئی خاک حجاز

کبھی کبھی زندگی کاگروں سکھاتے ہیں ۔
بندگی میں گھٹ کے رہ جاتی ہے اک جوئے کم آب
اور آزادی میں بحرِ بے کراں ہے زندگی

کبھی ان سے کہتے ہیں کہ جس نے اپنے آپ کوخودی کے بندھنوں سے چھڑایااور بیگانوں کے ساتھ پیوست کیاوہ مرگئےاوراگرزندگی چاہتے ہوتوافسون فرنگی کوپہنچانواوراس کےفتنوں کوآستینوں مس چھپاہوادیکھنے کی کوشش کرواس کاعلاج ایک اورصرف ایک ہےتمھارےجسم روح عمرؓ سےمعمورہوجائیں ۔

هر که از بندخودی دارست مرد
هر که بابیگانگاں پیوست مرد

آنچه تو باخویش کردی کس نکرد
روح پاک مصطفیٰ آمد بہ درد

اےزافسون فرنگی بےخبر
فتنہ ہادر آستین اونگر

ازفریب اداگرخواہی اماں
فتنہ ہادر آستین اونگر

ازفریب اداگرخواہی اماں
اشترنش رازحوض خودبرآں

عصرخودرابنگرائےصاحب نظر
در بدن باز آفریں روح عمرؓ

اقبال نےبعض مقامات پراپنے آپ کوپوری طرح عریاں کردیاہےخصوصاًان کاآخری چھوٹا سارسالہ۔

''پس چہ باید کرداےاقوام شرق'' ان کے بے پردہ و بے پنہاں تعلیمات کا حامل ہےاس میں انھوں نے آزادی حاصل کرنے کے جوگرسکھائے اورقوموں کوجس طرح پیغام آزادی دیاہےاس کانچوڑ شاید آپ کوان چندشعروں میں ملے۔میں ان کی تشریح نہ کروں گا۔عرب کامشہورمقولہ ہے'' **الکنایۃ ابلغ من الصراحۃ** '' سمجھنے کی کوشش کیجئے کہ جونہیں سمجھتاوہ نہیں اٹھتاوہ نہیں چلتااورجس کے پاؤں آشنائے راہ نہ ہوں وہ ہمیشہ بیگانۂ منزل رہتاہے ۔

اے اسیر رنگ پاک از رنگ شو
مومن خود کافر افرنگ شو

رشتہ سود وزیاں در دست تست
آبروئے خاوراں در دست تست

ایں کہن اقوام را شیرازہ بند
رایت صدق وصفا را کن بلند

اے امین دولت تہذیب ودیں
آں ید بیضا برآر از آستین

خیز واز کار اہم بکشا گرہ
تیشہ افرنگ را از سر بنہ

دانی از افرنگ واز کار فرنگ
تا کجا در قید زنار فرنگ

زخم از و نشتر اموو سوزن از و
ما و جوئے خوں وامید رفو

دین حق را زندگی از قوت است
قوتِ ہر ملت از جمعیت است

رائے بے قوت ہمہ مکر وفسوں
قوت بے رائے جہل است وجنوں

آزادی انسانیت

اقبال نے جو درس خودی دنیا کو دیا اور جو اس کے پیام کی اصل اور اس کی شاعرانہ اور حکیمانہ زندگی کی روح تصور کی جاتی ہے۔ اقبال فہم مجھے معاف کریں اگر میں کہوں کہ وہ اصل نہیں ذریعہ ہے اقبال کا پیام ہو کہ مرکزیت یا اقبال کی تعلیم وتمدن ہو کہ حاکمیت میں ان سب کو روح انسانیت کی آزادی کا ذریعہ اور آزادی انسانیت کو اقبال کا اصلی پیام سمجھتا ہوں۔ اگر آپ اقبال سے خود پوچھیں کہ خودی کی بیداری کا فائدہ ؟ وحدت قوم وملت کا مآل ؟

''بہ مصطفٰی رسایندن'' اور از بوہبی ترسیدن'' کیوں؟ تو اقبالؒ کہتے اور آج بھی سننے والوں کو روح اقبالؒ جواب دے رہی ہے کہ یہ سب اس لیے کہ انسان اپنا مقام اصلی پہچانے اور غیر اللہ کے تسلط واستبداد سے نکل کر حریت کاملہ کا تاج پہنے اور آزادی کے تخت پر جلوہ فرما ہو جائے۔

مادرِ دکن

آصف سابع نواب میر عثمان علی خاں والی ریاست حیدرآباد کی ماں بڑی بیگم صاحبہ کی وفات پرٹاون ہال باغ عامہ میں ۲۵/اپریل ۱۹۴۱ء کو جلسہ تعزیت مقرر ہوا۔ مادرِ دکن کے اس جلسہ تعزیت میں حضرت قائد ملّت بھی مدعو تھے۔ ۲۶/اپریل ۱۹۴۱ء کے رہبر دکن میں روئداد پر یہ تقریر مشتمل ہے۔

اڑالی قمریوں نے طوطیوں نے عندلیبوں نے
چمن والوں نے مل ک لوٹ لی طرز نغاں میری

مجھ سے قبل مقررین کے کثیر تعداد نے سب کچھ کہہ دیا ہے اب کیا رہ گیا ہے جس سے اپنے جذبات غم واندوہ کا اظہار کروں۔ موت کے متعلق سب جانتے ہیں کوئی ناواقف نہیں کہ موت ایسی حقیقت ہے جس سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ اکثروں نے بہت سی چیزوں سے انکار کیا سینکڑوں نے خدا کے وجود کو تسلیم نہیں کیا لیکن موت ایسی حقیقت کبریٰ ہے کہ سب اس سے بچ نہیں سکتے سبھی مرتے رہے اور مرتے رہیں گے۔ موت سے کسی نے رستہ گاری نے حاصل نہیں کی اگر رستگاری ہوسکتی تو سعادت مند بیٹے کی اتنی خدمت گزاری اور شبانہ روز تیمارداری کے بعد ماں موت سے بچ جاتیں لیکن موت کا قوی سے قوی پنجہ کسی کو محفوظ رہنے نہیں دیتا۔ موت اتنی اہم حقیقت ہے کہ اس کا آنا ضروری اور جب وہ آجائے تو نجات

نہیں اگر حقیقت آ جائے تو رنج کس بات کا۔

انسان نقصان پر ملال کرتا ہے جتنا شدید نقصان ہوتا ہے اسے اتنا ہی شدید ملال بھی ہوتا ہے آج کا اجتماع رسمی نہیں حقیقی معنیٰ میں اجتماع ہے۔ یہ اجتماع اظہار ہمدردی کا نہیں بلکہ جذبات صحیحہ کے اظہار کا اجتماع ہے۔ اپنے ذاتی نقصان پر اور ایک قیمتی شئے کے کھو جانے پر درد دل کے اظہار کے لیے ہم جمع ہوئے ہیں۔

علیا حضرت کا انتقال ہمارے لیے وجہ ملال اور وجہ نقصان عظیم ہے۔ علیا حضرت کی جدائی کا ملال اعلیٰ حضرت بندگان عالی سے بڑھ کر کسی اور کو نہیں ہوسکتا کسی والدہ کا ایسا فرزند نہیں جس کے اتنے بڑے احسانات و اکرامات ہوں اور جو (۲۷) سال سے سایہ ہما پایا کی طرح (۸۲) ہزار مربع میل پر رہنے والی رعایا پر حکومت کرتا ہو مرحومہ نے اعلیٰ حضرت بندگان عالی جیسا فرزند عطا کر کے ایسا عظیم احسان کیا ہے کہ اس کی ہم سے نہ پا بجائی ہوسکتی ہے اور نہ شکریہ ادا کیا جاسکتا ہے۔

حضرتہ مرحومہ بڑا دردمند دل رکھتی تھیں، مرحومہ کا سب کچھ غریبوں کی چارہ سازی اور دستگیری میں صرف ہو جاتا تھا۔ مگر ہاتھ میں کچھ نہ ہوتا تو اپنے سامنے کا اوگالدان اور پاندان بھی دے دیتے تھے۔ ایسی ماں جس کے دل میں دوسرے کا درد ہو اس ماں کی گود میں تربیت پائے ہوئے فرزند میں کتنی نہ صفات عالیہ اور کتنی نہ خصوصیات خاصہ ہوں گی۔ ہم جس کے دورِ مسعود سے گزر رہے ہیں اس میں ہر طرح کی نعمتیں حاصل ہیں جو مرحومہ کی تربیت کا نتیجہ ہیں۔ اعلیٰ حضرت نے مسلمان، شریف انسان، عالم اور فاضل کی حیثیت سے ماں کے مدارج کا خیال فرمایا جس کی مثال ڈھونڈنے سے نہیں مل سکتی لوگ بڑے ہوتے ہیں شادیاں ہوتی ہیں لیکن ماں کی خدمت سے محروم رہتے ہیں۔ ماں سے علیحٰدہ زندگی بسر کرتے ہیں۔ کتنی مائیں ایسی بھی ہیں جو اولاد کو دیکھنے ترستی ہیں لیکن اعلیٰ حضرت بندگان عالی وہ فرزند سعادت مند ہیں جنھوں نے ماں کو دیکھے بغیر شاید ہی کوئی دن گزارا ہو، اور سلام کی سعادت حاصل نہ کی ہو۔ روزانہ والدہ محترمہ سے ملتے اور دعائیں لے کر قصر شاہی میں واپس ہوتے تھے۔ اس کی مثال کوئی نہیں۔

اعلیٰ حضرت بندگان اقدس کے احسانات مادر دکن کے نقصان عظیم سے ہم اپنے قلب میں ایسا

درد ایسا رنج اور ایسا محن رکھتے ہیں کہ اس کو الفاظ میں ادا نہیں کیا جا سکتا کسی قسم کے دکھاوے کے لیے نہیں بلکہ ہم رنج والم اندہ وغم کے اظہار کے لیے ایک اسوہ حاصل کرنے کیلئے جمع ہوئے ہیں۔

ہارون رشید کے ارتکاب گناہ سے بچنے پر امام شافعی نے ہارون رشید کو جنتی قرار دیا تھا میں بھی اس حدیث شریف کی روشنی میں کہ جنّت ماؤں کے پاؤں کے نیچے ہے حضرت بندگان عالی کو بشارت دینے کی سعادت حاصل کرتا ہوں کہ آپ نے بھی ماں کی خدمت کر کے جنّت حاصل فرمالی ہے۔

آقائے ولی نعمت اعلیٰ حضرت کی خدمت مادری کی مثال کو سامنے رکھیں کہ ہم ایسے اطاعت گزار اور فرماں بردار فرزند سعادت مند اعلیٰ حضرت بندگان عالی کے زیر سایہ۔۔۔۔زندگی بسر کر رہے ہیں اور بسر کرتے رہیں گے ہم ان کے غم کو صحیح معنیٰ میں اپنا غم ان کے نقصان کو اپنا نقصان، ان کی مادر محترمہ کی وفات کو اپنی ماں کی وفات سمجھتے ہیں۔

مجھے افسوس ہے کہ میں جنازہ کو کاندھا دینے کی سعادت حاصل نہ کر سکا میں کل ہی واپس آیا اور آج اس تعزیتی جلسہ میں شرکت کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔

آہ ٹیگور

حیدرآباد کے قدیم علمی وادبی ماہنامہ ''شہاب'' بابت ستمبر ۱۹۴۱ء میں حضرت قائد ملت کی ٹیگور پر تقریر شائع ہوئی۔ ماہنامہ شہاب نے جو نوٹ اس تقریر پر درج کیا تھا وہ بھی شریک اشاعت ہے جلسہ کس مقام پر ہوا اس کا ذکر نوٹ میں بھی درج نہیں ہے۔ اس علمی تقریر میں ٹیگور کی شخصیت کے آئینہ میں حضرت قائد ملت کی شخصیت کا عکس نمایاں ہے۔

''شاعر ٹیگور کی موت شعر و موسیقی کی دنیا میں ایک جاں سوز حادثہ ہے جس پر ارض ہندوستان میں اظہار عقیدت کے جلسے منعقد ہو رہے ہیں حیدرآباد نے جو حقیقی معنوں میں علم و ادب کا گہوارہ ہے۔ مسز سروجنی نائیڈو کی صدارت میں وسیع پیمانہ پر ایک جلسہ منعقد کیا تھا جس میں عام شہریوں کے علاوہ امراء اور عہدیداروں نے شرکت کی۔ اس موقع پر قائد ملت نواب بہادر یار جنگ بہادر نے جو تقریر کی تھی درج کی جاتی ہے''

عربی کا مشہور مقولہ ہے کہ ''عالم کی موت عالم کی موت ہوتی ہے''

اور اس لیے صحیح ہے کہ عالم کا دماغ فکر و تصور کی ایک دنیا ہوتا ہے اور اس کی موت اس دنیا میں قیامت بن کر آتی ہے۔

ڈاکٹر ٹیگور اصطلاحی شاعر نہ تھے جو آج کل ہر گلی کوچہ میں پائے جاتے ہیں وہ اصلی معنیٰ میں شاعر تھے جن کو تلامیذ الرحمٰن کہا گیا ہے ایسا شاعر فطرت کائینات کا سب سے بڑا عالم ہوتا ہے وہ قدرت کے رخ سے نقاب اٹھاتا اور رموز اسرار فطرت اپنی آنکھوں سے دیکھتا اور دنیا کی آنکھوں پر آشکار کر دیتا ہے۔ شاعر تفکر و تعقل کے سمندر کا وہ غواص ہوتا ہے جس کے سامنے صدف اپنی ہتھیلیاں کھول دیتے ہیں

اور موتی اپنے آپ کو خود پیش کرتے ہیں اور ان کے درہائے معانی کو چنتا اور اپنی نظم کی مالا میں پرو کر فطرت کے گلے کی زینت بناتا ہے فطرت سے اُس کا تعلق اتنا گہرا' اتنا مستحکم اور اتنا قریبی ہوتا ہے کہ وہ فطرت میں گم ہوتا ہے فطرت اس کی آنکھوں سے دیکھنے اور اس کی زبان سے بولنے لگتی ہے وہ مسکراتا ہے تو ہوائیں گنگنانے لگتی ہیں درخت تالیاں بجاتے ہیں' سورج کی کرنیں ناچتی ہیں اور ساری کائنات تبسم بن جاتی ہے۔ جب اس کے ابرو پر بل پڑتے ہیں تو بادل رجز پڑھنے لگتے ہیں چاند میں بجلیاں بھر جاتی ہیں۔ سورج آگ برسانے لگتا ہے اور ساری کائنات ایک میدان کارزار بن جاتی ہے پھول اس کے ہاتھ میں آ کر کبھی نظر فریب بن جاتا ہے اور کبھی نظارہ سوز۔ وہ کبھی رگ گل سے بلبل کے پر باندھتا ہے اور کبھی لالے کو شعلہ طور بنا کر عشق کی دنیا کو خاکستر بنا دیتا ہے۔

دو فطرت شناس

ہندوستان نے انیسویں صدی عیسوی کے آخر میں دو بڑے فطرت شناس اور قدرت آشنا شاعر پیدا کیے ایک شمال مغرب میں اور دوسرا شمال مشرق میں ایک نے سوتوں کو جگایا' جاگتوں کو کھڑا کیا' کھڑے ہوؤں کو چلایا اور چلنے والوں کو دوڑنے کی تعلیم دی دوسرے نے امن اور شانتی کا راگ الاپا۔ کپٹ کی چتا میں جلنے والوں کو پریم جل کے چھینٹے دیئے اور دنیا کو دیکھنے اور سننے والوں کے لیے ایک مجسمہ نغمہ بنا گیا میں اقبال کے ''پیام مشرق'' اور ٹیگور کی ''گیتان جلی'' میں بھی دو خصوصیتیں پاتا ہوں۔

گذشتہ جنگ عظیم سے یورپ کی دنیا تھک چکی تھی تکا پوئے دمادم اور میدان رستخیزی سرگرمیوں نے ان کے اعضا کو نڈھال کر دیا تھا وہ پیغام امن کے بھوکے تھے' پیام مشرق کی طرف متوجہ نہ ہو سکے اور گیتان جلی نے ان نگاہوں کو جذب کر لیا۔

یہ ہے ٹیگور کے نوبل پرائز کی حقیقت جس پر آج ہم سب ہندوستانی بجا طور پر فخر کرتے ہیں۔

نواب سر امین جنگ کی محفل۔ آج سے آٹھ سال قبل مجھے مشرق کے اس عظیم الشان شاعر کے

سامنے اپنی یاوا گوئی کے مظاہرے کا موقع ملا تھا۔نواب سرامین جنگ بہادر کی روایت ہے کہ شاعر کو اردو کی اچھی تقریر سننے کی تمنا تھی نہ معلوم کیوں نظر انتخاب ہیچمدان پر پڑی۔ میرے لیے جو تقریر وخطابت کو ایک کھیل سمجھتا ہے فی الحقیقت وہ دن ایک آزمائش کا دن تھا میں نے بہت کم اپنی کسی تقریر سے پہلے سونچا ہے کہ مجھے کیا کہنا چاہیے لیکن اس دن مجھے نہ صرف سوچنا بلکہ تیار ہونا پڑا۔شاعر کی بڑائی کا ایک بڑا ثبوت یہ بھی ہے کہ وہ دوسروں کی ہمت افزائی کرے اوران کو بڑا بنا کر خوش ہوتا ہے۔ یہی خوبی ڈاکٹر ٹیگور میں تھی انہوں نے نہ صرف میری موجودگی میں بلکہ میرے غیاب میں بھی اس مختصر تقریر کو بہت پسند کیا۔آج کی محترم صدر مسز نائیڈو سے انھوں نے کہا تھا کہ اس لڑکے کی روانی اور انداز بیان اس کو ہر زبان کا اچھا مقرر بنا سکتا ہے اگر یہ انگریزی میں مشق کرے تو کامیاب مقرر ہوگا میں کبھی کبھی سوچتا ہوں کہ کیوں نہ اس کی کوشش کروں۔ ممکن ہے شاعر کی یہ پیش گوئی اس کی روحانی قوتوں سے مل کر پوری ہو جائے۔ان کی یہ محبت آخر تک قائم رہی۔

شانتی نکیتن

میں اپنی زندگی کے ان لمحات کو فراموش نہیں کرسکتا جب کہ مجھے شاعر کے ساتھ شانتی نکیتن میں دو دن گزارنے کا موقع ملا تھا۔ یہ اڑتالیس گھنٹے میرے صفحہ دماغ پر ہمیشہ مرتسم رہیں گے۔ وہ دور دور تک پھیلے ہوئے سرخ میدان مشہور عالم درسگاہ' مشرق میں وہ آموں کے بڑے بڑے پیڑ ان کے نیچے پوتی ہوئی صاف زمین جس پر بیٹھ کر تشنہ گان علم سادگی اور پُرکاری کا درس حاصل کرتے ہیں۔ جابجا طلبائے فن لطیف کے بنائے ہوئے مجسمے دیواروں پر ان کی مصوری کے شاہکار ہر چیز میں مشرق کی راندہ اور ٹھکرائی ہوی تہذیب کو اجاگر کرنے کی کوشش نمایاں۔ وہ عظیم الشان کتب خانہ جس میں بیٹھ کر ریسرچ اسکالرز اپنے مقالے تیار کرتے ہیں اور میرے لیے سب سے زیادہ جاذب توجہ وہ شعبہ اسلامیات جو حضور شاہ دکن خلد اللہ ملکہ وسلطنتہ کے عطیہ سے شاعر نے اس جامعہ میں قائم کیا تھا ان سب کی ایک ایک

تفصیل آج بھی میری نگاہوں میں پردہ سمیں کی تصویروں کی طرح پھرنے لگتی ہے۔

میں ان ملاقاتوں کی بناء پر تصدیق کرتا ہوں کہ شاعر فرقہ وارانہ تصورات سے بالاتر تھا وہ خوبیوں کا متلاشی تھا چاہے جہاں سے اس کو حاصل ہوتے۔ وہ موحد تھا اور اس کا کیش بقول غالب ترک رسوم تھا اور وہ ملتوں کے مٹ جانے ہی کو اجزائے ایمان کی تیاری تصور کرتا تھا۔

سیاست اور ٹیگور:۔

اگر ہندوستان کی زمام سیاست ٹیگور جیسے مخلص بے ریا اور حقیقی معنی میں ہندوستان پرست لوگوں کے ہاتھوں میں ہوتی شاید ہندوستان میں وہ تحریکیں پیدا ہی نہ ہوتیں۔ کاش آج بھی بڑی جماعتوں کی رہبری کرنے والے ٹیگور کے نقش قدم پر چلیں اور چھوٹی جماعتوں کی بے چینی کو دور کر سکیں۔

طاعت بندگی :۔

مجھے ڈاکٹر ٹیگور آنجہانی کی وسعت قلب کو ظاہر کرنے کے لیے اجازت دیجئے کہ اپنے دوروزہ قیام شانتی نکیتن کا واقعہ بیان کردوں۔ میں شاعر کے اس کمرے میں بیٹھا ان سے باتیں کر رہا تھا جو سر سے پاؤں تک مجسم شعر تھا۔ شاعر نے مجھ سے لفظ ''اسلام'' کے معنیٰ پوچھے جب میں نے بتایا کہ اسلام اطاعت اور بندگی کو کہتے ہیں تو انھوں نے فوراً سوال کیا کہ مسلمانوں نے اس لفظ کو اپنے مذہب کے لیے کیوں پسند کیا۔ میں نے ذرا تفصیلی طور سے توضیح کی کہ قرآن مجید اسلام کو کائنات عالم کا فطری مذہب قرار دیتا ہے جہاں کہیں خدا کی طرف سے کوئی آواز بلند ہوئی اور جس کسی نے خدا کے بندوں کو خدا کا راستہ دکھایا قرآن کی اصطلاح میں اس نے اسلام کے سواء کوئی اور چیز پیش نہیں کی چاہے وہ ابراھیم و اسمٰعیل اور اسحٰق کی آواز ہو جو اشوریہ اور فلسطین میں گونجی اور جس کا ذکر قرآن مجید نے کیا ہے وہ زرتشت

وہ کنفیوشس اور گوتم بدھ کی آواز ہو جو ایران و چین و ہندوستان میں بلند ہوئی چونکہ قرآن میں اس کا تذکرہ نہیں ہے اس لیے مسلمان ان کی نبوت کو تسلیم نہیں کرتے لیکن قرآن کے ارشاد لکل اُمتہ رسول ..... و ان امتہ خلا فیھا نذیر کے مطابق یہ بھی ماننے کو تیار نہیں کہ رب العالمین نے مشرق کے ان عظیم الشان ممالک کو اپنی ہدایت سے ہمیشہ محروم رکھا ہوگا۔

مسلمان تنگ نظر نہیں :۔

شاعر نے میری گفتگو کو نہایت توجہ سے سنا اور فرمانے لگے تمہارا بیان تو اس الزام کی تردید کرتا ہے کہ جو لوگ مسلمانوں کو تنگ نظر کہہ کر لگا دیتے ہیں اور پھر پوچھا کہ موجودہ اختلافات کی حقیقت کیا ہے ۔میں نے کہا موجودہ اختلافات اصل کی خرابی نہیں نظر کی دوری کا نتیجہ ہے جیسے جیسے معلمین قانون فطرت سے زمانہ دور ہوتا گیا لوگوں نے ان کے مطلب کو سمجھنے میں غلطیاں کیں ۔شریعتیں بدلیں لوگوں نے ان کو دین کی تبدیلی سمجھ لیا اور آپس میں لڑ پڑے پھر شاعر نے باوجود اپنے انتہائی علم و فضل کے مجھ سے دین و شریعت کا فرق دریافت کیا۔ میں اس گفتگو میں آپ کا زیادہ وقت نہ لوں گا مجھے جو چیز بتانی تھی وہ یہ کہ شاعر لیلائے علم کا دیوانہ تھا اور جدھر ناقہ لیلیٰ سے نشان قدم پاتا تھا اور اُدھر چل پڑتا یہاں تک کہ اس میں نجد، عراق کی تمیز بھی باقی نہیں رہتی یہی راز اس کی بڑائی کا ہے اور یہی پہلو اس کی زندگی کا قابل تقلید ہے۔

☆☆☆

مہاراجہ کشن پرشاد

۳۰رمئی ۱۹۴۰ءکوایک عظیم الشان اجتماع میں مہاراجہ کشن پرشاؔد یمن السلطنت کی تعزیت میں منعقد ہوا تھا۔نواب صاحب نے اس موقعہ پر جوتقریر فرمائی وہ رہبر دکن میں یکم جون ۱۹۴۰ء میں شائع ہوئی۔

حیدرآباد میں یہ پہلاموقع نہیں ہے کہ ہم رنج وملال کے لیے جمع ہوئے ہیں۔کسی کوبھی موت سے انکارنہیں حیات موت کا پیش خیمہ ہے۔

ساری دنیا جانتی ہے کہ مہاراجہ کے ساتھ میرے جوتعلقات تھے۔انھیں کے گود میں پلا ہوں جب سے شعور آیا اور اشیاء کے پہچاننے کی سمجھ پیدا ہوئی مہاراجہ بہادر کی شفقت سے ان کی برکات کوحاصل کرتے ہوئے کبھی بھی والد بزرگوار کا خیال تک پیدانہیں ہواان کا جملہ بطور خاص عمر بھر یادرہے گاجب والدقبلہ کاانتقال ہواتوانھوں نے فرمایاتھا۔

بہادرخاں۔نصیب یاورجنگ کاانتقال نہیں ہواکشن پرشادمرگیا۔

انسانوں کی موت صفات کی موت ہوتی ہےجن چیزوں کا ہم غم کرتے ہیں ان سے یہ چیزاور یہ غم بڑھا ہواہےاس لیے کہ مہاراجہ بہادر کا انتقال اوران کی موت ایک شعبہ حیات کے کمزور کرنے کا باعث بنی بلکہ مختلف شعبےاس کی وجہ سے گہن میں آ گے ہیں۔

ایسا جامع الکمال انسان جو انسانیت کی کامل تصور تھی شاید ہی کبھی مرا ہو۔ آج غریب بے کس ہو گئے اور ان کا داتا چل بسا۔ یہ سچ ہے مہاراجہ نہیں مرے بلکہ ہزاروں غریب مر گئے جن کی نظریں مہاراجہ کی آمد کی ہمیشہ منتظر رہتی تھیں۔ مہاراجہ بہادر کی موت ایک ادیب ایک شاعر اور ایک عالم کی موت ہے ان کی صحبت میں علماء کا اجتماع رہتا تھا وہ وقت یاد آتا ہے تو پتھر سا دل بھی رو دیتا ہے جب کہ وہ صدر اعظم نہیں ہوئے تھے ان کی صحبت میں رات دن کٹتے تھے اور انہیں۔۔۔۔۔ کی صحبت کا لسانی اثر ہے کہ میں اس قابل بنا کہ آج ملک اور آپ کی خدمت کر سکوں ان کی موت ایک سیاس کی موت ہے۔ ایک چیز جو سب سے زیادہ ان کے لیے باعث فخر ہو سکتی ہے وہ یہ کہ صرف آنجہانی دکن ہی کے نہیں بلکہ ہندوستان کے بھی وزیر تھے۔ وزیر بوجھ اٹھانے والے کو کہتے ہیں۔ یہ عربی لفظ وزر ہے جس کے معنی بوجھ اٹھانے کے ہیں۔ انہوں نے کبھی جلالت الملک پر کسی ذمہ داری کا بوجھ نہیں ڈالا وہ اس کو کبھی نہیں روا رکھتے تھے کہ بادشاہ کے اقتدار میں کسی چیز کی کمی ہو۔ ان کے خواب اور وہم کے کسی گوشہ میں یہ تصور نہیں ہو سکتا تھا کہ وہ بادشاہ کے اقتدارات منتقل ہوں یا ان میں کبھی کمی ہو کاش حیدرآباد ان کے نقش قدم پر چلتا کاش ان کی برقی رو سے مستفید ہوتا جو ہندو مسلم اتحاد کے بیدار کرنے کے لئے تڑپ رہی تھی۔

اگر یہ حاصل ہو جائے تو ہماری تمناؤں کا حیدرآباد اور ہماری آرزوؤں کا حیدرآباد ہوگا۔

ورق تمام ہوا اور مدح باقی ہے
سفینہ چاہیے اس بحرِ بے کراں کے لیے

جوابی سپاسنامہ

۱۶/ فروری ۱۹۲۶ء کو بہادر ہاؤس میں منجانب مہدویان ممالک متوسط د برار جو سپاسنامہ نواب صاحب کی خدمت میں پیش کیا گیا تھا جواباً نواب صاحب کی تقریر کی مختصر روداد کو اکولہ (برار) کے ہفتہ وار اخبار البرہان مورخہ یکم مارچ ۱۹۲۶ء میں شائع ہوئی)

برادران ملّت میں آپ کے جذبہ اخلاص کا احترام کرتا ہوں اور آپ سے مل کر بہت خوش ہوں۔ آپ نے جو سپاسنامہ پیش کیا میں آپ کا بے حد شکر گزار ہوں۔ مہدویہ کانفرنس کی صدارت کے متعلق مجھے مبارک باد دی گئی ہے میں اس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے یہ ضرور کہوں گا کہ یہ اہم بار جو میرے ذمہ دیا گیا ہے میں اس کے اٹھانے کا خود کو اہل نہیں سمجھتا لیکن خدا کے فضل اور آپ لوگوں کی عنایت سے کوشش کروں گا کہ اس بار عظیم کو اٹھا سکوں۔

انجمن مہدویہ حیدرآباد دکن جو آج تک اپنی قوم کی خدمت کر رہی ہے قابل ستائش ہے۔ یہ انجمن بہت اچھے کام میں مصروف ہے ہر مہدوی کا فرض ہے کہ وہ اس کا ہاتھ بٹائے۔ مجھ ناچیز کو انہوں نے جو صدر منتخب کیا ہے میں ان کا بے حد شکر گزار ہوں۔

جاگیرداران برار کے متعلق آپ نے جو سپاسنامہ میں ذکر کیا ہے مجھے افسوس ہے کہ وہ میرے حدود عمل سے باہر ہے مگر میں ہر وقت آپ کی خدمت میں حاضر ہوں، آپ کی بہبودی کے لیئے ہر ممکن طریقہ سے کوشش کی جائے گی۔ ساکنان برار کا مجھ پر اور میرا ان پر پورا حق ہے میں ان کی خدمت کو اپنا

فرض سمجھتا ہوں۔

برادران ملّت۔مہدوی ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔قرون اولیٰ میں مہدوی مسلم کامل کہلاتا تھا۔منتخب التاریخ بدایوانی میں مولانا عبدالقادر بدایونی مرحوم نے مہدویوں کی بہت تعریف کی ہے مولانا ابوالکلام آزادتذکرہ نامی کتاب میں تحریرفرماتے ہیں۔

مہدوی فرشتہ خصلت بلکہ اعمال کے لحاظ سے فرشتہ کہلانے کے مستحق تھے۔مگرافسوس کہ اب وہ حالت نہ رہی کیا اب بھی وقت نہیں آیا کہ مہدوی بیدار ہوں۔اپنی حالت پرغورکریں سچّے مہدوی بن کر دنیا میں مثال پیش کریں۔کیاتمہیں معلوم نہیں کہ تمہارے ہادی ’’جومہدی‘‘ کالقب لیئے ہوئے سامنے آئے تمام دنیا میں دعویٰ کرتے ہیں اورفرماتے ہیں میں خدا کا بندہ ہوں اورحضرت محمدﷺ کا پیرو ہوں۔ دنیا میں ان کی اوران کے پیروں کی کیا حالت ہوئی ہرشخص پرروشن ہےاوریہی وجہ ہے کہ ان کے ماننے والے دنیا کے لئے ایک مثال قائم کرگئے۔میں اس وقت آپ سے خوش ہوں گا جب مجھےاس صوبہ کے مہدوی سچّے مہدی بن کر بتائیں آخرمیں میں دوبارہ اپنے مہدوی بھائیوں کاشکریہ ادا کرتا ہوں اورآپ کے محبت بھرے جذبات کااحترام کرتا ہوں۔

شعبہ تعلیم القرآن دارالمطالعہ نامپلی کا افتتاح

حضرت قائد ملت کی تقریر

حضرت قائد ملت کی خدمت میں دارالمطالعہ عام نامپلی کی جانب سے ۱۷/ مارچ ۱۹۴۳ء کو سپاس نامہ پیش کیا گیا۔ اس دارالمطالعہ کے شعبہ تعلیم القرآن کا افتتاح بھی اس موقعہ پر حضرت قائد ملت کے مبارک ہاتھوں سے ہوا۔ افتتاح سے قبل حضرت قائد ملت نے جو تقریر فرمائی وہ درج ذیل ہے (۱۸/ مارچ ۱۹۴۳ء رہبر دکن)

کارکنان دارالمطالعہ کتب خانہ نامپلی نواب ممتاز الدولہ بہادر و حاضرین۔

حضرات! اس سے قبل کہ میں پیش کردہ سپاسنامہ کا تفصیلی جواب دوں۔ میں چاہتا ہوں کہ اس کتاب خانہ و دارالمطالعہ کی بنیاد کے بارے میں کچھ عرض کرتا چلوں۔ یہ کتاب خانہ غالباً آج سے سات سال قبل اسی مقدس مقام سے قریب ایک ملگی میں کھولا گیا تھا اس وقت اس ادارے میں ایک قندیل اور چند پرانے رسائل تھے اور یہ اس کی کل کائنات تھی۔ اس دارالمطالعہ کو دیکھنے کے لیے مولوی فصیح الدین صاحب نے مجھ سے خواہش کی تھی اور میں نے ان کی خواہش پر اس دارالمطالعہ کو اس کے ابتدائی منازل میں دیکھا تھا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ میں نے اس وقت مقام دارالمطالعہ کو جہاں وہ قائم ہوا تھا غیر موزوں بتلاتے ہوئے قصاب کی ملگی سے تشبیہ دی تھی لیکن آج جب کہ میں کتاب خانہ کو ایک نہایت

شاندار عمارت میں باقاعدہ تنظیم کے ساتھ دیکھتا ہوں تو میری حیرت کی کوئی انتہا نہیں رہتی میری دعا ہے کہ یہ ادارہ اور ترقی کرے اور مسلمانوں کی خاطر خواہ خدمت انجام دے۔

میں جب کتاب خانہ کے کارکنوں پر نظر ڈالتا ہوں تو مجھے تعجب ہوتا ہے کہ کارکن اس ادارہ کی کس قدر خلوص اور محبت سے خدمات انجام دے رہے ہیں میں محسوس کرتا ہوں کہ اس ادارہ کے کارکن قومی خدمات انجام دینے میں دیوانے بنے ہوئے ہیں۔ یہ معلوم کر کے مسرت ہوئی کہ اس وقت کتاب خانہ کے تحت حسب ذیل شعبہ جات قائم ہیں۔

۱۔شعبہ دارالمطالعہ　　　۲۔شعبہ تعلیم بالغان

۳۔شعبہ تقاریر　　　۴۔شعبہ احمد محی الدین تقریری مقابلے۔

مقام مسرت ہے کہ شعبہ دارالمطالعہ میں پڑھنے والوں کا اوسط روزانہ ایک سو سے زائد ہے۔اور اخبارات ورسائل کی تعداد بھی تقریباً مطالعہ کرنے والوں کے اوسط کے برابر ہے ۔ مجھے ہمیشہ دو دارالمطالعہ پر ناز رہا ہے اور فخر سے مین ان کا نام لیتا ہوں ایک دارالمطالعہ تو ضلع ناندیڑ پر کا ہے اور دوسرا دارالمطالعہ نامپلی ہے اخبارات اور رسائل کی کثرت وتنوع کے اعتبار سے یہ مطالعہ گھر ملک کا بہترین دارالمطالعہ ہے۔

۲۔شعبہ تعلیم بالغان ۔اس کو قائم ہوکر دو سال کا عرصہ ہوتا ہے اور اس عرصہ میں سپاسنامہ کے بموجب (۵۵) اَن پڑھ لوگوں کو پڑھنا سکھا دیا گیا ہے۔میرے خیال میں اگر شعبہ تعلیم بالغان اپنی پوری زندگی میں (۵) اَن پڑھ بالغوں کو بھی پڑھنا لکھنا سکھا دے تو میں اس شعبہ کا بڑا کارنامہ تصور کروں گا۔

مبارک ہیں اس شعبہ میں کام کرنے والے کارکن اور اس شعبہ میں پڑھانے والے صدر مدرس جن کی انتھک کوششوں کا یہ ثمرہ ہے کہ اس سال ان کے تنائج سوفی صدر ہے اور اس وقت چالیس بالغ زیر تعلیم ہیں ۔سپاسنامہ میں میرے جس خط کا حوالہ دیا گیا ہے مجھے اس کا اعتراف ہے میں بیشک تعلیم بالغان کی اسکیم سے مایوس ہوں ممکن ہے کہ میرے لیے ایسے وسائل فراہم نہ ہوسکے جیسے کہ مولوی فصیح الدین صاحب کو حاصل ہوئے ۔اس لیے میں اس اسکیم سے مایوس ہوا اور مولوی فصیح الدین صاحب کو کامیابی ہوئی۔

۳۔تیسرا شعبہ تقاریر ہے اور اس شعبہ کے بارے میں مجھے کچھ کہنا ہے اس لیے کہ جس طرح دنیا میں ہر شرابی چاہتا ہے کہ تمام دنیا شرابی ہوجائے اور جس طرح ہر افیونی کا خیال ہوتا ہے کہ تمام دنیا افیونی بن جائے، اسی طرح ہر مقرر کا خیال ہوتا ہے کہ تمام دنیا مقرر بن جائے۔ یہاں میری اپنی آپ تعریف ہے بڑی خوشی ہوئی یہ معلوم کرکے کہ اس شعبہ میں ماہواری تقریری مقابلوں کا انتظام کیا گیا ہے اور اہل محلّہ کافی دلچسپی لے رہے ہیں۔

۴۔شعبہ احمد محی الدین تقریری مقابلے کا قیام حال ہی میں عمل میں آیا ہے۔مولوی فصیح الدین صاحب کا یہ بھی ایک بہت اچھا کارنامہ ہے۔میں نے اس شعبہ کی جو کچھ بھی مدد کی ہے وہ نتیجہ ہے مولوی احمد محی الدین صاحب مرحوم ایڈیٹر ''رہبر دکن'' کی میرے ساتھ ہمدردی و محبت کا آئندہ سال جس طریقہ سے ان یادگاری تقریری کے مقابلوں کا انعقاد کا انتظام کیا جارہا ہے اس سے مجھے پورا اتفاق ہے میں اپنی پوری ہمدردی سے حاضر رہوں گا۔

جن شعبوں کے قیام کی اسکیم کتاب خانہ کے پیش نظر ہے وہ بھی قابل صد آفرین ہے۔خصوصاً شعبہ ورزش جسمانی شعبہ توسیعی تقاریر اور شعبہ تفسیر قرآن پاک۔ان شعبوں کے افتتاح پر مولوی فصیح الدین صاحب میری امداد اور تعاون کا پورا پورا یقین رکھیں۔

سپاسنامہ میں بار بار دُھرایا گیا ہے کہ میں نے اس کتاب خانہ کی بہت کچھ مدد کی ہے۔مجھے اس کا اعتراف ہے لیکن اس میں بھی فصیح الدین صاحب کا مشکور ہوں جو میری نفسیات پر غالب ہوکر مجھ سے کام لینے کے طریقوں پر عمل پیرا ہوئے اور انھوں نے میری امداد حاصل کی۔

حضرات! شعبہ تعلیم القرآن جس کے افتتاح کی خواہش فصیح الدین صاحب نے مجھ سے کی وہ کسی وضاحت کا محتاج نہیں ہے۔

افسوس ہے کہ فصیح الدین صاحب کو اس شعبہ کے افتتاح کا بہت دیر بعد خیال آیا کاش وہ اس شعبہ کے افتتاح کی جانب بہت پہلے توجہ کرتے تاکہ اس شعبہ کے صدقہ میں کتاب خانہ میں برکت ہوتی۔

بہر حال ان گنہگار ہاتھوں سے اس شعبہ کا افتتاح ہورہا ہے۔خدا اس شعبے میں روز افزوں ترقی دے۔کارکنان دارالمطالعہ و کتب خانہ کو ہمت عطا کرے تاکہ اس کی ترقی میں کوئی کمی یا کسر اٹھا رکھیں۔ خدا اس گنہگار کی عزت رکھے جو اس شعبہ کا افتتاح کررہا ہے۔

مُلّا عبدالقیوم

۱۲/اکتوبر ۱۹۴۰ء کو مسجد چوک میں مسلمانان حیدرآباد کا عظیم الشان اجتماع مجلس ترقی تعلیم اسلامی کی جانب سے حضرت قائد ملت کی زیر صدارت جلسہ یادگار ملاعبدالقیوم کے سالانہ جلسے کا انعقاد عمل میں آیا۔ حضرت قائد ملت نواب بہادر یار جنگ بہادر نے صدارتی تقریر فرمائی۔ (رہبر دکن ۱۳/اکتوبر ۱۹۴۰ء۔)

جلسہ عجلت میں ہوا ہے تاہم جلسہ کی کامیابی کے لیے جو اہتمام کیا گیا ہے وہ کافی ہے۔ قوم نے مخدوم کی یاد منانا چاہی منالی۔۔۔۔۔ آج سے (۳۵) سال پہلے ملک میں جی حضوری کا دور تھا بولنے سے پہلے سوچ لینا ضروری تھا۔ آزادی گستاخی کے مترادف تھی۔ ایسے وقت ملاعبدالقیوم نے جس جرأت اور محبت کے ساتھ سرکاری اور قومی خدمات انجام دیئے اپنی آپ نظر ہیں۔ سروقارالامراء کی صدارت میں باغ عامہ میں ایک جلسہ ہوا تھا۔ ڈاکٹر ہارش آب زمزم کے کنوئیں کو بند کرنے کے نسبت ایک درخواست سلطان ترکی کی خدمت میں بھجوانا چاہتا تھا مگر مُلا صاحب نے اسی وقت ڈاکٹر صاحب کے خیالات کی زبردست تردید کی تعلقہ گنگاوتی میں طاعون کے موقع پر حکومت کی تائید کی بجائے رعایا کی تائید کی۔ یہاں تک کہ آپ خدمت سے وظیفہ پر علیحدہ ہوگئے۔ غور کیجئے مُلا صاحب میں بلند ہمتی حق گوئی اور جراءت

کے کیسے محمود جذبات موجود تھے اور کیسے رعایا پر حکمرانی کی اگر آج بھی ایسے حاکم نظر آئیں تو ملک سے یہ تمام بے چینی جو پیدا ہوگئی ہے۔ وہ سب جاتی رہے گی۔ کہا جاتا ہے کہ مُلا صاحب قوم پرست تھے اور حقیقت یہ ہے کہ خدمت خلق میں کسی فرقہ کی کوئی خصوصیت نہیں میں سب سے بڑا حق پرست ہوں۔ میرا خدا رب العالمین اور میرا رسول رحمت العالمین اور میں خادم العالمین ہوں۔ محتاج کی دستگیری ہی خدمت ہے اور اس خدمت میں جس طرح مسلمان شامل ہیں اسی طرح ہندو بھی۔ لیکن آج قوم پرستی کے جو معنیٰ لیے جا رہے ہیں ویسا قوم پرست میں نہیں ہوں اور اگر آج بھی مُلّا عبدالقیوم ہوتے تو وہ بھی کبھی بھی قوم پرست نہ رہے ہوتے۔

علماء حق ہر زمانے میں مسلمانوں کے لیے موجب رحمت ثابت ہوئے ہیں اور ہر وقت علماء سو سے قوم کو نقصانات پہنچتے رہے ہیں ہر زمانے میں قوم علمائے حق کی عزت و تعظیم کرتی رہی اور اب بھی ان کی تعظیم وتوقیر ہوتی رہتی ہے۔

مُلّا عبدالقیوم کا شمار حق سے تھا جن میں خدمت خلق اور جذبہ حق گوئی موجود تھا۔ یہی وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے حیدرآباد میں خدمت خلق کی مشعل پیش کی اگر ایسے مُلّا پیدا ہوجائیں تو حیدرآباد کی کایا پلٹ جائے۔

مجھے ان کے قابل فخر داماد ڈاکٹر سید عبدالطیف صاحب جو پاکستان کی تحریک کے بانی ہیں اور مولوی حسن عبدالنعم صاحب اور مولوی عبدالباسط صاحب جو اس وقت سرکاری خدمات کو کمال دیانت داری سے انجام دے رہے ہیں مرحوم مُلّا صاحب کے صاحبزادے ہیں جنھوں نے ان کو دیکھا یا ان سے کام کے مواقع حاصل کئے خوب واقف ہیں کہ ملّا صاحب میں غریبوں کے ساتھ ہمدردی اور ان کی خبر گیری کا خاص مادہ تھا۔ اسلامی ریاست میں جھوٹ کا نام ونشان نہ تھا اور ملا صاحب بڑے سیاسی مفکر تھے مگر آج سیاست کا نام جھوٹ بولنے کے لیئے لیا جا رہا ہے ملّا صاحب باعتبار اپنے خدمت کے بہت سی خوبیوں کے مالک تھے اور اج ملک میں ایک قسم کے شیر دل ملّا کی ضرورت پہلے سے زیادہ تھی مجھے یقین ہے کہ آپ کی روشن کی ہوئی مشعل کبھی نہیں بجھے گی کوئی نہ کوئی مشعل بردار پیدا ہوجائے گا تاریکی کو نور سے معمور کردے گا۔ خدا مُلّا عبدالقیوم کی روح کو جنت میں جگہ عطا فرمائے۔

مولوی احمد محی الدین

رہبر دکن کے اسلامی جذبہ خدمت گزاری سے معمور قلب کے مالک و مدیر مولوی سید احمد محی الدین صاحب مرحوم کے انتقال پر منعقدہ تعزیتی جلسہ مورخہ ۲۹ر جنوری ۱۹۴۲ء میں حضرت قائد ملت نے بحیثیت صدر جلسہ اختتامی تقریر فرمائی (روئداد ۳۰ر جنوری ۱۹۴۲ء رہبر دکن)۔

جو تقریریں آپ نے سماعت فرمائیں ان سے اندازہ کیا ہوگا کہ جلسہ کا مقصد بڑی حد تک پورا ہوگیا۔ کیونکہ آج کے جلسہ کا مقصد مولوی سید احمد محی الدین مرحوم مدیر ''رہبر دکن'' کی یاد تازہ کرنا۔ ان کے طریقہ کار اور خیالات کو دُہرانا اور اس سے سبق حاصل کرنے کی کوشش کرنا ہے۔ نواب اکبر یار جنگ بہادر کے اس خیال کا میں موئید ہوں کہ نیک لوگوں کے لیے موت' موت نہیں ہے جیسا کہ معتمد صاحب نے کہا موت تو ایک پُل ہے جس سے گزر کر ایک دوست دوسرے دوست سے مل جاتا ہے۔ موت سب سے زیادہ یقینی چیز ہے جس سے انکار نہیں کیا جاسکتا فلسفیوں نے کائنات کی ہر چیز کو جھٹلایا فلسفیوں کا ایک گروہ پیدا ہوا جو مادی اجزاء کو تصوری خیال کرتا ہے اور اس کے وجود کو تسلیم نہیں کرتا لیکن کسی کو ایک چیز سے انکار کرنے کی جرائت نہ ہوسکی۔ جغرافیائی بعد و قرب کے باوجود معتقدات کی کشمکش کے باوجود جس

چیز کو ماننے پر مجبور ہوئے اور جس سے انکار نہیں کیا جاسکتا وہ موت کی حقیقت ہے اور اس حقیقی و یقینی چیز سے ملال کرنا، فکر کرنا یا رنج کرنا ایک حیرتناک امر ہے جو اتنا یقینی ہو اور جب وہ واقع ہو جائے تو اس پر ملال کے کیا معنی۔ احمد محی الدین اچھے رہے اچھے مرے، اچھی زندگی گزاری، اچھے مقامات پائیں گے۔ انہوں نے ملک کی خدمت کی بیداری پیدا کی، ملّت کو حیات کا مقصد سمجھایا۔ آج بھی ان کی آخری زندگی کے اچھے ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہم ان کی موت پر نہیں بلکہ اپنے خسارہ اور نقصان پر رو رہے ہیں جو نا قابل تلافی ہے۔ وہ ہوتے تو منزل قریب کر سکتے۔ کشمکش کو تیز کیا جاسکتا اور دست و بازو میں زیادہ طاقت آتی۔ مجھے ان کی جدائی کا زیادہ صدمہ ہے۔ آپ نے ان کو ''رہبر'' کے صفحات پر دیکھا ہوگا وہ میرے ساتھ ہمیشہ دست و بازو بنے رہے میرے کام میں شریک رہے۔

گم شدہ سرمایہ

ان کے کسی سے قریب عزیز و قرابت دار کو اتنا صدمہ نہ ہوا ہوگا جس قدر مجھ کو ہوا۔ مجھے ایسا محسوس ہوا کہ ہاتھ کاٹ دیئے گئے اور میں مفلوج ہو کر رہ گیا ''رہبر'' میرا ہے ''رہبر'' میرا تھا جس کا اظہار لیئسق صاحب نے اپنی رپورٹ میں اس سے قبل کیا ہے جب بھی کہا تھا اور اب بھی کہتا ہوں احمد محی الدین ہماری متاع تھے، ہمارا سرمایہ تھے ہر شخص احمد محی الدین نہیں ہوسکتا۔ ہم احمد محی الدین کے لیے رو رہے ہیں اور اپنے گم شدہ سرمایہ پر آنسو بہا رہے ہیں۔

میں ''رہبر'' کا احسان مند ہوں

میری پبلک زندگی کی ابتداء ''رہبر'' کی ابتداء کے ساتھ ساتھ ہے۔ جس وقت ''رہبر'' نکلا میں مدرسہ میں استادوں کے سامنے سر جھکائے رہتا تھا ہماری تحریکیں مدرسہ سے اٹھتی تھیں اس لحاظ سے ہم

''رہبر'' سے اپنی تاریخ ملا سکتے ہیں۔ گو اس زمانہ میں ''صحیفہ'' اور ''مشیر'' اپنے ڈگر پر اچھی طرح چل رہے تھے لیکن ''رہبر'' نے ایک خاص راستہ اختیار کیا۔ جدت پیدا کی جس کے مطالعہ سے جدید حیدرآباد کی تصویر آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے جس نے کشمکش کا حقیقی جذبہ اور فلاح و بہبود کے حقیقی گوشوں کو نمایاں کیا وہ ''رہبر'' ہے میں اپنے آپ کو ''رہبر'' کا احسان مند تصور کرتا ہوں۔ ملّت کی شیرازہ بندی استواری مضبوطی اور استحکام میں ''رہبر'' نے مولوی احمد محی الدین کے ادارت میں جس طرح خدمت انجام دی اس کو فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ وہ ایک یادگار چیز ہے اور تاریخ کا درخشاں باب۔

''ہماری خلوت کی باتیں''

اب تک آپ نے جلوت کی باتیں سُنیں اب خلوت کی سنیئے جس میں' میں اور احمد محی الدین ہوتے تھے۔ مسائل پر خوب بحث ہوا کرتی ہم لڑتے تھے ملتے تھے' اتفاق بھی کرتے تھے مختلف بھی رہتے تھے ان کا اختلاف لڑائی کا باعث نہ ہوتا تھا۔ ان کے قلم کی گردش نے اتحادالمسلمین یا بہادر خاں کے کسی اختلاف کو ''رہبر'' میں نہیں لایا وہ محسوس کرتے کہ اس طرف چلنے کی ضرورت ہے یا مجھے غلط راستے پر پاتے تو روکنے کی کوشش کرتے اور جب میں اختلاف کرتا تو خوب بحث کرتے جب سمجھ جاتے تو خاموش ہوجاتے تھے۔ انھوں نے ایک اخبار کی طاقت رکھ کر بھی اختلاف رائے کو اخبار کا اختلاف بنانا پسند نہیں کیا ان کے پیش نظر ہر وقت ملّت کا مفاد تھا۔

مرحوم مجلس کے سچّے خیر خواہ تھے

وہ صفت جس نے گرویدہ کرلیا تھا وہ مرحوم کا بے ریا خلوص جو کسی قسم کے نمود و نمائش کا محتاج نہ تھا۔

انھوں نے کبھی پلیٹ فارم پر آنے کی کوشش نہیں کی میں جب مجلس کا پہلے صدر منتخب ہوا۔۔۔۔عاملہ میں لینا چاہا تو انھوں نے سختی سے اختلاف کیا کہ کسی اخبار کے مدیر کی مجلس میں شرکت مناسب نہیں۔انھوں نے ہر وقت انکار کیا مجلس کا ان سے زیادہ کوئی سچّا خیر خواہ نہیں تھا۔ان کی جرات تھی۔وہ نڈر اور بے خوف تھے باوجود کہ ان کا واحد ذریعہ معیشت اخبار تھا لیکن انھوں نے بعض موقع پر اس کی پروانہ کی۔ان کے شبات قدم میں کبھی تزلزل وارتعاش نہیں پیدا ہوا۔یہ ایک حقیقت ہے جس سے سرکار عالی کے محکمے انکار نہیں کر سکتے۔وفاق کے مسئلہ میں سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا''رہبر'' کو مختلف طریقوں سے پریشان کیا گیا اشتہارات بند کیے گئے' خریداری پر پابندی عائد کی گئی جس کو''رہبر'' کے کارکن معلومات عامہ دستوری کے لوگ جان سکتے ہیں یا میں' ان پابندیوں کے بعد بھی وہ کہتے کہ''نواب صاحب سب کچھ ہوتا رہتا ہے لیکن ہم اپنا کام کرتے رہیں گے۔

مدیر مرحوم کا قابل مبارک باد جذبہ

ان کا مذہبی جذبہ قابل مبارکباد تھا۔میں اس میں اپنے آپ کو شریک سمجھتا ہوں جس پر مجھے ناز ہے۔وہ اپنے نزدیک اسلام کا ایک خاص تصور رکھتے تھے۔انھوں نے ایک معیار مقرر کر رکھا تھا اس معیار سے کسی کو ہٹتا دیکھتے یا افرنگیت کے زہر آلود رسم ورواج میں کسی کو مبتلا پاتے تو کانپ اٹھتے تھے۔وہ محسوس کرتے کہ اسلامی تصورات میں غیر اسلامی تصورات کو لانے کی کوشش کی جارہی ہے تو اس وقت تلوار بن جاتے تھے۔یہ مبارک ترین صفت تھی جیسا کہ نواب اکبر یار جنگ نے فرمایا ان کا یہی اصول ایک طرہ امتیاز تھا اس مذہب کی رو میں انھوں نے ملک کے عام مسائل نظم ونسق اور مفاد عامہ کی تحریکات میں اسی طرح قدم اٹھایا جس طرح ایک ہمدرد وطن کو چاہیے تھا۔

گفتگوئے مفاہمت میں مرحوم کا حصہ

میں جس وقت مسٹر نرسنگ راؤ سے گفت وشنید کر رہا تھا دستخط کنندگان میں ان میں سے ایک مرحوم بھی تھے۔گفتگوئے مفاہمت میں سب سے زیادہ حصہ مرحوم کا تھا۔ان میں ایک تڑپ تھی انھوں نے صفائی کے ساتھ مشورہ دیا کہ آگے بڑھنا چاہیے جس طرح ہوسکے اچھے شرائط پر سمجھوتہ ہوجانا چاہیے۔اس کے بعد ایک اور کوشش ہوئی جن کے نام اس پلیٹ فارم پر لینا میں اہم نہیں سمجھتا کچھ کاغذات لائے۔ مسودات تیار ہوئے' جدوجہد شروع ہوئی جس میں ہماری دوسری کمیونٹی کی جانب سے پنڈت راما چاری صاحب کا زیادہ حصہ تھا۔سید احمد محی الدین بھی ایک بے پناہ جذبہ مفاہمت کے ساتھ میرے پاس آتے رہے اور ایسے شرائط پر سمجھوتہ کے لیے مجبور کرتے رہے کہ دونوں فرقوں میں باہمی سمجھوتہ ہوجائے۔غرض کہ احمد محی الدین کا مقام بہت بلند تھا میری باتیں گفت وشنید کی حد تک محدود رہتی تھیں اور احمد محی الدین کی باتیں تحریر میں آکر سند ہوجاتی تھیں۔

احمد محی الدین کی یادگاریں

اب میں احمد محی الدین مرحوم کی یادگار کے قیام سے متعلق آپ سے کچھ کہنا چاہتا ہوں ایک صاحب جن کا نام فیضی ہے جو غالباً نظام آباد کے باشندے اور آج کل بلدہ میں مقیم ہیں انھوں نے پہل کی میرے ہاں ایک چندہ بھیجا اور خواہش کی کہ مرحوم کی کوئی اچھی یادگار قائم کی جائے اس چندے کو ان کے بھائی مولوی یوسف الدین صاحب کے ہاں روانہ کردیا جب اس چندہ کا اعلان ہوا تو خطوط کی بھرمار ہوگئی متعدد تحریکیں وصول ہوئیں میں نے اپنے آپ کو مرحوم کے بعد ان کے متعلقہ مسائل پر سوچنے کا فردِ کُل کی حیثیت سے موزوں نہیں پایا اس عرصہ میں چند نوجوان دوستوں نے کام کا آغاز کیا۔امام بیگ

صاحب رونق نے ''دارالمطالعہ'' احمد محی الدین قائم کیا۔

کتب خانہ نامپلی میں تقریری مقابلوں اور تعلیم بالغان کا انتظام کیا گیا۔ گو یہ یادگاریں ہیں لیکن ان کو میں کوئی مناسب تجویز نہیں سمجھتا میں چاھتا ہوں کہ جن نوجوانوں نے آج کے جلسہ کا انعقاد کیا ہے وہ ایک فیض اور افادیت کی صورت میں یادگار قائم کرنے ایک کمیٹی تشکیل دیں۔ ایک جگہ جمع ہوکر سونچیں اور کسی یادگار کی داغ بیل ڈالیں۔

آپ کا فرض

حقیقی یادگار تو یہی ہے کہ ہم ان کے مسلک' پیدا کی ہوئی بیداری' پیدا کیا ہوا شعور اور ان کے بتلائے ہوئے طریقہ کار سے روشنی حاصل کریں۔ جیسا کہ شمع سے شمع جلتی ہے۔

''رہبر'' کے ذریعہ انھوں نے ایک شمع روشن کردی اس شمع سے آپ کا فرض ہے کہ دوسری اور شمعوں کو جلاتے جائیں۔ احمد محی الدین سے محبت کا تقاضہ یہ ہے کہ ان کی اولاد بھائیوں' عزیزوں' رشتہ داروں سے زیادہ ان کے ''رہبر'' سے محبت کریں۔ جس کے ذریعے ہم ان تک پہنچے اور انھوں نے جس کی وجہ سے ہمارے قلوب میں جگہ پائی اور ملّت اسلامیہ میں ایک زندگی پیدا کردی۔ اس جلسہ کو ماتمی نہیں میں تشکر کا جلسہ تصور کرتا ہوں۔

من لم بشکرا لناس من لم بشکر اللہ

ہمارا فرض ہے کہ جو چیز انھوں نے ہم تک پہنچائی اس کو برقرار رکھنے کی کوشش کریں۔

مولوی سیّد احمد محی الدین

۱۴ رفبر وری ۱۹۴۲ء کو زمرد محل میں دکن کے مشہور و مقبول اخبار رہبر دکن کے صفات عالیہ سے متصف مدیر جناب مولوی سید احمد محی الدین صاحب کے انتقال پرمُلال ۔۔۔ پرتعزیتی جلسہ منعقد کیا گیا۔اس جلسہ میں نواب صاحب نے تقریر فرمائی تھی ۔(بموجب روئداد اخبار رہبر دکن ۱۵ رفبر وری ۱۹۴۲ء)

غالبؔ نے کہا ہے۔نالہ پابند نےنہیں ہے‘ میری تقریر میں آج آپ کوئی نے نہ پائیں تو مجھے معاف فرمائیں ۔سید احمد محی الدین صاحب دنیا کے سارے انسانوں کی طرح پیدا ہوئے جس طرح سب کوگزرنا ہے وہ گزر گئے ہیں ان کو اتنے ہی زمانے سے جانتا ہوں جتنی رہبر کی عمر ہے اس عرصہ میں ان سے بعض اختلافات رہے ہماری زندگی اس عرصہ میں چند متحدہ‘ متفقہ اصولوں اور نا قابل انفسارک راستوں سے گزری ہم ایک دوسرے سے جُدا نہ ہوئے ۔وہ نیک متقی عبادت گزار تھے حقوق اللہ حقوق العباد کو پوری طرح انجام دیا ان کی بخشش کے متعلق شبہ اور اندیشہ کی کوئی گنجائش نہیں ۔خدا ضرور بخشے گا اور وہ بخشے گئے ہوں گے۔

ہم آج اس لیے جمع نہیں ہوئے ہیں کہ خدمات کے اعتراف کا تحفہ پیش کریں بلکہ ہم کو جو رنج اور نقصان عظیم پہنچا ہے اس پر اپنے آپ کو پُرسہ دیں ایک دوسرے سے مل کر ماتم کریں۔لڑکوں نے شفیق باپ کو کھو دیا بھائیوں نے بازو کو توڑ لیا‘ صفحات کے عملہ نے ایک مشفق و ہمدرد بالادست کو کھو دیا اور ہم نے

(۲۲) سالہ خدمت گزار کو کھو دیا ہے ہمارا نقصان ان کے بچوں، بھائیوں سے کم نہیں تین دن سے میرے ہاں تعزیتی خطوط اور تار وصول ہو رہے ہیں۔ میرے یہاں جنہوں نے تعزیت بھیجی ہے انھوں نے غلطی نہیں کی جتنا نقصان مجھے پہنچا ہے وہ شاید کسی کو پہنچا ہو۔ سید احمد محی الدین کی وفات پر اپنے آپ کو پرسہ دیتا ہوں۔

مجھے انتہائی صدمہ ہے کہ میں نے ایک مدّبر مستقبل مزاج اور نڈر صحیفہ نگار کو کھو دیا جس نے وہ زمین تیار کی جس پر بیج بکھیر کر فصل کاٹی اور میں ہل چلا رہا ہوں۔ خدا سید مرحوم کی روح کو اپنی بارگاہ میں تقرب عطا فرمائے۔

مرحوم صحافت میں خاص مسلک اور اصول رکھتے تھے ان کے نزدیک سب سے پہلے تعلیمات اسلامی کا تحفظ تھا ان میں ایک کمزوری یہ تھی کہ اگر کسی زبان کسی کے قلم سے تعلیمات اسلامی کے خلاف کوئی جملہ نکلتا تو اس کا پوری شدت سے مقابلہ کرتے تھے یہی ان کے عزم اور استقلال کی دلیل تھی۔

ان میں ایک خاص بات یہ تھی کہ وہ سلطنت اسلامیہ آصفیہ کا اپنی خصوصیات کے ساتھ تحفظ چاہتے تھے تاکہ یہ اسلامی سلطنت اپنی خصوصیات کے ساتھ محفوظ رہے ملک کے بعض جری اور فداکار اصحاب سے اپنی خدمات کو سپرد کر کے مضامین کی اشاعت کراتے تھے۔ مضامین کا رہبر میں شائع کرنا اور اس پر مستقل مزاجی سے اڑے رہنا احمد محی الدین صاحب کی خصوصیت تھی۔

ان کی ایک اور خصوصیت خانوادہ آصفی سے وابستگی تھی انھوں نے اس سلسلہ میں پورا پورا حق ادا کیا یہ خصوصیت ہر پرچہ میں نمایاں تھی۔ میرے ساتھ احمد محی الدین صاحب نے ہر موقع پر کام کیا ہے۔ وہ بلدیہ میں تین سال تک ہمارے ساتھ کام کرتے رہے بلدیہ میں نمائندگی کرتے رہے انھوں نے اپنی رکینت کا تحفظ نہیں کیا۔ حکومت سے نامزد ہونے کا خیال نہیں کیا ان کے پیش نظر خدمت تھی اور انھوں نے مستقل المزاجی سے کام کیا انھوں نے مجلس اتحاد المسلمین کے مسلک کو سونچ سونچ کر قبول کیا تھا اور پوری قوت سے اس کی تائید میں حصہ لیتے رہے۔

(۴۶) سال کی عمر میں جب ان کی ضرورت تھی ہمارا ساتھ چھوڑ کر انھوں نے مفارقت اختیار کی۔ ہمارا بازو مفلوج ہو گیا قلب کو مجروح اور ہمتوں کو توڑ دیا۔ خدا ہم میں ان کے جیسے آدمی پیدا کرے۔

تعزیت کے سلسلہ میں اکثر لوگوں نے پیامات دیتے ہوئے ستائش کی بعض کے پیامات مجھے اچھے نہیں معلوم ہوئے مثلاً یہ کہ وہ فن تشہیر کے ماہر تھے میں سمجھتا ہوں کہ تشہیر کا مقصد یہ تھا کہ وہ اس کے ذریعہ دوسروں کو فروغ دیا کرتے تھے دوسروں کے فروغ میں اپنے آپ کو انھوں نے فروخت نہیں کیا۔

ان کے متعلق یہ بھی کہا گیا کہ وہ تجارتی انداز پر اخبار چلاتے تھے اگر تجارتی انداز پر اخبار چلایا تو بڑا اچھا کیا ورنہ ان کا وہی حشر ہوتا جو اخبار 'وقت' کا ہوا۔ ایسے زمانہ میں تجارت کے اصول پر ہی چلانے کو میں بڑا کمال سمجھتا ہوں۔ ہماری دعائیں اگر بارگاہ رب العزت میں کوئی حیثیت رکھتی ہیں تو ہم سب کی صدائیں ممکن ہے ہم سے خطائیں ہوئی ہوں لیکن ان کے پیش نظر جو تیرے رسول تھے ہماری دعاؤں کو قبول فرما اور مرحوم کو جوار رحمت میں جگہ عطا فرما۔ مسلمانو قدر یہ ہے کہ ''رہبر'' ہمارا محبوب ہے۔ رہبر آنکھوں کا تارا' دل کا سرور اور ان کی نشانی ہے۔ بچوں اور بھائیوں سے زیادہ اس کو محبوب سمجھا جائے (اس کے بعد قائد ملّت رونے لگے۔ یہ فرما کر تقریر ختم کی کہ میں خیالات کے اظہار کے قابل نہیں ہوں آپ سے رخصت ہوتا ہوں خدا حافظ اس کے بعد سارا اجتماع آبدیدہ ہوگیا۔ صدر جلسہ نے مدیر مرحوم کے بچوں کا تعارف کرایا)۔

دو اہم کتابیں

نام کتاب :سوانح بہادر یار جنگ

مصنف :نذیر الدین احمد

تبصرہ و تجزیہ ۔ فضیل جعفری

غیر منقسم ہندوستان میں شاید ہی کوئی ایسا عاقل و بالغ شخص ہوگا جس نے بہادر یار جنگ کا نام نہ سُنا ہو۔ وہ لوگ جو ان کے سیاسی خیالات سے متفق نہیں تھے (اور ایسے لوگ خاصی بڑی تعداد میں تھے۔ف'ج) وہ بھی ان کی شعلہ بیانی کے قائل اور عاشق تھے اور اس لیئے انہیں لسان الامت' کے لقب سے بھی نوازا گیا تھا۔ علاوہ ازیں جناب محمد علی جناح کے دست راست ہونے کی وجہ سے انہیں قائد ملت اور ریاست حیدر آباد میں ان کی غیر معمولی شہرت اور اہمیت کے مدنظر کچھ لوگ انہیں آفتاب دکن بھی کہتے اور سمجھتے تھے۔

☆ اس میں کوئی شک نہیں کہ آج کی نوجوان نسل بہادر یار جنگ کے نام اور کام سے بیشتر نا آشنا ہے۔ اسی کی پہلی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ پہلے مسلم لیگ اور پھر مجلس اتحاد المسلمین سے نواب مرحوم کی گہری اور شدید وابستگی کے سبب جدید مورخین نے ان کے اطراف کوئی توجہ نہیں دی۔ دوسری وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ بہادر یار جنگ کا انتقال خاصی نوعمری میں ہوگیا اور آزاد ہندوستان یا پھر پاکستان میں ایک اہم رہنما کی حیثیت سے انہیں جو کردار نبھانا تھا وہ اس سے محروم رہ گئے۔

☆ ان باتوں کے باوجود خوش قسمتی سے ابھی ایسے کچھ لوگ باقی ہیں جنہیں بہادر یار جنگ مرحوم کا سچا عاشق اور پرستار کہا جاسکتا ہے۔ حیدر آباد کے نذیر الدین احمد صاحب ایسے ہی ایک فرد ہیں بلکہ ایسے حضرات میں ان کا نام سرفہرست نظر آتا ہے۔ بہادر یار جنگ کی تمام

تحریروں اور تقریروں کو یکجا کر کے شائع کرنا اور نواب مرحوم کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں پر لکھتے رہنا ان کی زندگی کا ایک اہم مشن رہا ہے۔

☆ بہادر یار جنگ کے بعض دوسرے مداحوں کی مدد سے حیدرآباد میں بہادر یار جنگ اکیڈمی کا قیام بھی نذیر الدین احمد صاحب کی زیر تبصرہ تصنیف سوانح بہادر یار جنگ' اسی اکیڈمی کی طرف سے شائع ہوئی ہے اور بہادر یار جنگ پر اپنے طرز کی پہلی کتاب ہے۔

اس کتاب کی پہلی جلد میں ۱۹۰۵ء یعنی بہادر یار جنگ کے سن ولادت سے لے کر ۱۹۳۱ء۔۳۲ یعنی ان کے سفر حج بیت اللہ اور سفر بلاد اسلامیہ تک کے واقعات درج ہیں۔ کتاب کے آغاز میں ''قائد ملت'' کا جو شجرہ خاندانی نقل کیا گیا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے آبا واجداد غالباً سکندر جاہ کے زمانے میں شمالی ہندوستان سے حیدرآباد پہنچے۔ یوں تو ان مہدوی پٹھانوں کا آبائی پیشہ تجارت تھا لیکن دھیرے دھیرے ان کا شمار طبقۂ امرا میں ہونے لگا۔

محمد بہادر خاں' نصیب یاور جنگ کے بڑے بیٹے تھے ابھی وہ نوعمر ہی تھے کہ باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا اور وہ محمد بہادر خاں سے نواب بہادر یار جنگ بن گئے۔ اگرچہ کہ انہوں نے باقاعدہ تعلیم حاصل نہیں کی تھی لیکن شروع سے ہی انہیں مختلف موضوعات پر مطالعے کا غیر معمولی شوق تھا۔ عربی اور فارسی کی تعلیم انہوں نے حکیم سید مصطفےٰ سے اور اُردو کی تعلیم مولوی محمد مصطفےٰ سے حاصل کی تھی۔ انہیں مذہب سے شروع سے ہی غیر معمولی شغف تھا۔

☆ بہادر یار جنگ نے اپنی تقریروں کا آغاز محفل عید میلاد النبی ﷺ سے کیا۔ اور شاید یہی ان کی اس معجز بیانی کا راز تھا۔ جس کا لوہا محمد علی جناح سے لے کر ابوالکلام آزاد تک بھی یکساں طور پر مانتے تھے۔ مذہب سے شغف نے ان کے دل میں مسلمانوں کی فلاح بہبود کے جذبے کو غیر معمولی حد تک بیدار کر دیا تھا۔ ایک اٹھارہ سالہ نوجوان کے بارے میں خواجہ حسن نظامی جیسی جید شخصیت کا اپنی ڈائری میں یہ لکھنا کہ

"نواب نصیب یاور جنگ صاحب کے صاحبزادے بہادر خاں صاحب ملنے آئے (۱۶ جولائی ۱۹۲۳ء) یہ بڑے پُر جوش، دیندار اور دانشمند صاحبزادے ہیں اسلامی در ورگ رگ میں بھرا ہوا ہے"

☆ بجائے خود بڑی اہم بات ہے۔ آگے چل کر ان کی دینداری اور دانشمندی اور اسلام پسندی غرضکہ ہر خصوصیت نہایت ہی پر جوش انداز میں ظاہر ہوئی۔ مذہب کے واسطے سے ہی وہ کلام اقبال کے بڑے عاشق تھے۔ اور ان کی کوٹھی پر ہر ہفتے درس اقبال کا پروگرام ہوا کرتا تھا۔ درس دینے والوں میں ڈاکٹر رضی الدین صدیقی، ڈاکٹر یوسف حسین خاں اور پروفیسر غلام دستگیر رشید جیسے اہل علم شامل تھے۔

اقبال ہی کی طرح نواب بہادر یار جنگ بھی رسول مقبول نبی کریم ﷺ کے زبردست عاشق اور فدائی تھے۔ انہی کا ایک شعر ہے۔

دنیائے سیاست کے کامل بھی ادھورے ہیں
ناقص بھی مدینے کا کامل نظر آتا ہے

اقبال کے اس مصرعے پر کہ!

جدا ہو دیں سیاست سے تو وہ جاتی ہے چنگیزی

پوری طرح عمل کرتے ہوئے بہادر یار جنگ نے اپنے سیاسی نظریات کو کامیاب بنانے کے لیئے دین کا اور اسلام کو فروغ دینے کے لیئے سیاست کا استعمال کیا۔ نذیر الدین احمد صاحب نے اپنی تصنیف میں اس پوری داستان کو نہایت ہی تفصیل سے بیان کیا ہے۔ اس حد تک کہ موصوف نے بعض اہم تفصیلات کو دہرانے سے بھی گریز نہیں کیا۔

انہوں نے دوسری جلد میں (بطور خاص) نواب صاحب مرحوم کی سیاسی سرگرمیوں کو بیان

کیا ہے۔اور ۱۹۳۰ء سے لیکر نواب صاحب کے سال وفات ۱۹۴۷ء تک کوئی ایسی سیاسی سرگرمیاں نہیں تھی جس کا تعلق مسلمانوں سے ہو اور نواب صاحب اس سے منسلک نہ ہوں۔ حیدرآباد دکن سے لیکر صوبہ سرحد تک کی بہت سیاسی گتھیوں کو سلجھانے میں بہادر یار جنگ پیش پیش رہے تھے۔

اس سلسلے میں انہیں نہ صرف اپنے خطاب اور اپنی موروثی وجاگیر سے ہاتھ دھونا پڑا۔چوں کہ زبان بندی اور بے وطنی کا بھی سامنا کرنا پڑا۔چوں کہ اُن پر ان کے مقاصد واضح تھے اور انہیں خدا کی ذات پر مکمل یقین تھا اس لیئے ان کے عزائم میں کبھی کوئی خلل نہیں پڑنے پایا۔انہوں نے خود اپنے ایک شعر میں اپنے جذبات کا اظہار یوں کیا ہے۔

☆ چمن زار دکن کو اپنے خون دل سے سینچا ہے چھٹے گا | کیسے مجھ سے یہ گلستاں دیکھ لیتا ہوں

اس کتاب یعنی "سوانح بہادر یار جنگ میں دیگر باتوں سے قطع نظر حیدرآباد کی روایتی تہذیب اور ثقافتی زندگی کی جھلکیاں بھی مل جاتی ہیں۔

نذیر الدین احمد صاحب کا اسلوب محققانہ نہ ہونے کے باوجود شستہ اور قابل مطالعہ ہے۔ کتابت اور طباعت وغیرہ بھی اعلیٰ معیار کی ہیں۔مجموعی طور پر اُردو کے سوانحی ادب میں اس کتاب کی اپنی ایک انفرادی حیثیت ہے۔ بلٹز (سنیچر۔ڈسمبر ۱۰/۱۹۸۸ء)

نوٹ : مخفی مواد اس تبصرے سے قبل تیسری جلد سوانح بہادر یار جنگ زیر طبع تھی۔

سلسلہ مطبوعات بہادر یار جنگ کی پانچویں جلد تاثرات بہادر یار جنگ کی اشاعت موجب مسرت ہے ۔ انشاء اللہ مارچ 2007 تک مزید کتابوں کی اشاعت عمل میں آئے گی ۔ جملہ (۲۰) کتابوں کی اشاعت 2003 تک تکمیل پائے گی ۔

بہادر یار جنگ کے شیدائیوں کی ان کتب کی خریدی اس مشن کو کامیاب بنانے کا وسیلہ ثابت ہوگی ۔

وما علینا الا البلاغ.

نذیر الدین احمد
(سوانح نگار بہادر یار جنگ)

اللہ اگر توفیق نہ دے

انسان کے بس کا کام نہیں

رضائے الٰہی کا حصول آساں ہے ہمارے نفس امارہ کی رضا ہی مشکل ہے۔ اللہ جن بندوں پر اپنے فضل کی بارش فرماتا ہے تو وہ صرف اپنے لیئے نہیں جیتے بلکہ اپنی اللہ کی دی ہوئی دولت کو کار خیر ہی میں خرچ کرنا اپنی زندگی کا مقصد قرار دے کر قرب الٰہی کے حصول کی جدوجہد میں اپنے رہنماوں کی یاد سے وابستہ ذکرو فکر اور ان کے ارشادات کی اشاعت' غریبوں کو ان کی ضروریات حصول تعلیم' غریب بچیوں کی شادیاں' بلاسودی قرض کی اجرائی کے لیئے باضابطہ ٹرسٹ بنا کر اس فیض جاریہ کو جاری رکھتے ہیں امریکہ میں مقیم ڈاکٹر حیدر محمد خاں صاحب نے نومبر 2010ء میں ٹیلفون پر مجھ سے کتابوں کی اشاعت کے سلسلہ میں گفتگو فرمائی اور اپنی طرف سے اس کام کے لیئے ایک لاکھ روپیئے ایک ہفتے میں اپنے دوست صادق محمد خاں صاحب سابق معتمد انجمن مہدویہ اور ڈاکٹر صاحب کے برادر نسبتی کے ذریعہ روانہ فرمادے۔ ہماری خواہش تھی کہ کے ڈاکٹر صاحب کے اس عظیم احساس کے سلسلے میں ان کی زندگی کے بارے میں کچھ لکھیں مگر وہ بمشکل صرف ان دو انجمنوں کا ذکر کیا جو امریکہ میں ہیں جس کے وہ سرگرم رکن ہیں ۔ (Currently I am affiliated with the following organizations in the US : Indian Muslim Council - USA (IMC-USA),www.imc-usa.org, and Indian Muslim Educational Foundation of North America (IMEFNA) وہ ہر ٹرسٹ اپنے والد مرحوم محترم نذر محمد خاں صاحب جو ایک ریل حادثہ میں شہید ہوئے ان کے ایصال ثواب کے لیئے دیتے ہیں ۔ جس سے والد سے ان کی عقیدت ومحبت کا اندازہ ہوتا ہے۔ ہماری دعا ہے اللہ محترم نذر محمد خاں صاحب کو اپنی جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے امین ۔ نیک اولاد خود حشر تک ثواب جاریہ ہوتی ہے مگر

یہ داغ تا زندگی رہے گا
تیرا داغ دل میں نشانی رہیگا